اپریل ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- قاضی حسین احمد سے اتفاق اور اختلاف

امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

- دورۂ ترجمۂ قرآن ۔۔۔ قرآن حکیم سے تجدیدِ تعلق [illegible]

مختلف شہروں سے موصول شدہ رپورٹوں کے آئینے میں

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

خوشبودار کیمیکل

مختلف اقسام کے عطریات' اگر بتی' صابن وغیرہ کی صنعتوں کے لئے عوامی جمہوریہ چین سے خوشبو دار کیمیکل (پرفیومری' کیمیکل) در آمد کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

ربی ٹریڈنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر 238' کراچی 74200

نماز قائم کریں' اسی میں نجات اور سکون ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۳
شمارہ:	۴
شوال المکرم	۱۴۱۴ھ
اپریل	۱۹۹۴ء
فی شمارہ	-/۷
سالانہ زر تعاون	-/۷۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ———— ۳
حافظ عاکف سعید
☆ تذکرہ و تبصرہ ———— ۵
نیو ورلڈ آرڈر اور مسئلہ کشمیر
امیر تنظیم اسلامی کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز
☆ تفکر و تدبر ———— ۹
قاضی حسین احمد سے اتفاق اور اختلاف
ڈاکٹر اسرار احمد
☆ افہام و تفہیم ———— ۴۱
"اقامت دین" کی جدوجہد ___ فرض عین یا فرض کفایہ؟
دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء کے سوالات اور امیر تنظیم کے جوابات
☆ الہدیٰ (قسط:۹۰) ———— ۵۱
مدنی دور کے آغاز میں اہل ایمان کو پیشگی تنبیہہ
ڈاکٹر اسرار احمد
☆ رپورتاژ ———— ۶۳
"لذت ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی"
راشد حفیظ
☆ دورۂ ترجمہ قرآن ———— ۷۹
قرآن حکیم سے تجدید تعلق کی ملک گیر تحریک
مختلف شہروں سے موصول شدہ رپورٹوں کے آئینے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

کشمیر کا مسئلہ اس وقت زبان زد خاص و عام ہے۔ عالمی سطح پر اس مسئلے کے حوالے سے پاکستان کی جو سبکی ہوئی ہے اس کا صدمہ ہر دردمند پاکستانی کو بے چین کئے دیتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں خون مسلم کی ارزانی اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے واقعات اس پر مستزاد ہیں کہ جنہیں سن کر کون مسلمان ہے جو اپنے دل میں شدید کرب والم محسوس نہ کرتا ہو۔ حالات کا دھارا جس سمت بہہ رہا ہے اس کے پیش نظر بہتری کا امکان دور دور نظر نہیں آتا۔ کشمیر اگر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے تو پاکستان کی بھی شہ رگ ہے۔ مصالحت اور مفاہمت کی کوئی صورت بنے تو کیونکر! ہر سوچنے سمجھنے والا پاکستانی مسلمان جس کے دل میں زندگی کی ادنیٰ سی رمق بھی باقی ہو' خود کو مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بالکل بے بس اور لاچار محسوس کرتا ہے کہ حالات کے دھارے کو موڑنا اس کے بس کی بات نہیں۔ ملت اسلامیہ پاکستان ایک عجیب مخمصے سے دوچار ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے ساتھ سازگاری بھی اس کے لئے سم قاتل ہے اور اس سے ٹکر لے کر مخالف بلاک میں شامل ہونا بھی سنگین مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ عالمی سطح پر پاکستان اب بالکل تنہا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے بہترین دوستوں نے بھی کہ جو ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دیتے رہے ہیں' آنکھیں بدل لیں۔ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے! ____ ستم بر ستم یہ کہ اب بھی ہمارے سیاسی رہنما اور دانشوران قوم کی اکثریت مفاد پرستی کے خول سے باہر آنے کو تیار نہیں' پوری قوم بحیثیت مجموعی حقائق سے چشم پوشی کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ گویا قومی و ملکی سطح پر ہم نے وہ تمام اسباب جمع کر لئے ہیں جن کا نتیجہ مولانا حالی کے اس مصرعے کی صورت میں سامنے آتا ہے کہ ع "وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی۔" اللہ ہمیں اس انجام بد سے بچائے۔

امیر تنظیم اسلامی نے اپنے ۱۸/مارچ کے خطاب جمعہ میں ملکی و بین الاقوامی حالات کے تناظر میں کشمیر کے مسئلے پر اپنا تجزیہ بڑی وضاحت سے شرکاء کے سامنے رکھا اور پاکستان کے لئے جو دو ممکنہ راستے کھلے نظر آتے ہیں ان کے ممکنہ نتائج و عواقب کا بڑی جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا ____ اس خطاب کا پریس ریلیز زیر نظر شمارے میں "تذکرہ و تبصرہ" کے عنوان سے شامل ہے ____ ہماری ایک قومی نفسیاتی کمزوری یہ بن چکی ہے کہ ہم ایسی کسی تجویز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے جس میں بھارت سے کسی بھی نوع کی مفاہمت کا ذکر ملتا ہو۔ جہاں کسی نے بھارت کے ساتھ کسی درجے کی مفاہمت یا مصالحت کا ذکر کیا' ہمارے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں وہیں جواب دینے لگتی ہیں۔ یہ ہرگز کوئی صحت مند علامت نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ملکی مفاد اور قومی وقار و تحفظ کے لئے ہر ممکنہ راستے کا کھلی آنکھوں سے جائزہ لینا چاہئے اور ہر تجویز کے مصالح و مفاسد پر

سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر ہی نہیں کمل کر اظہار رائے بھی کرنا چاہئے ___ ہماری اس مریضانہ ذہنیت نے ہی قومی سطح پر آج ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہم بدترین حالات کے گرداب میں خود کو محصور پاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان خود ساختہ بندشوں سے آزاد کر کے ملک و ملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کھلے قلب و ذہن کے ساتھ غور و فکر کرنے کی عادت اپنائیں اور کسی بہتر راہ عمل کو اختیار کریں۔

اسی ضرورت کے احساس کے تحت تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام کشمیر کے موضوع پر ایک سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سیاسی زعماء اور دانشوران قوم میں سے جن حضرات کی شرکت متوقع ہے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں: جناب حنیف رامے' جناب حافظ حسین احمد' جناب ملک معراج خالد' جناب زیڈ اے سلہری' جناب محمود مرزا اور جناب مجیب الرحمٰن شامی۔ یہ سیمینار ان شاء اللہ جمعرات ۳۱ / مارچ کی شام کو قرآن آڈیٹوریم' اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہو گا۔ اس سیمینار کی مفصل رپورٹ اگر اللہ نے چاہا تو ندائے خلافت کے آئندہ شمارے کی زینت بنے گی۔ ○

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

کی تازہ ترین تالیف

بر عظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ___ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے حاصل' اور
- 'اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں' کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ___ !

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات' مع دیدہ زیب ارڈ کور ___ قیمت فی نسخہ/۳۰

<u>تذکرہ وتبصرہ</u>

نیو ورلڈ آرڈر اور مسئلہ کشمیر

کیا پاکستانی قوم کے لئے کوئی دروازہ کھلا رہ گیا ہے؟

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۸ مارچ کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور۔ ۱۸ مارچ: امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر تنہا رہ جانے کے بعد زمینی حقائق کی روشنی میں پاکستان کے لئے اب دو ہی متبادل لائحہ عمل باقی بچے ہیں لیکن دونوں نہایت خوفناک ہیں چنانچہ اس مخمصہ پر اب کھل کر بات ہونی چاہئے کہ دونوں بلاؤں میں سے چھوٹی بلا کون سی ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے مفصل خطاب جمعہ میں انہوں نے تازہ ترین صورتحال کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایران کے مجوزہ بلاک میں بھارت اور چین کے ساتھ شامل ہو کر نئے عالمی استعمار یعنی نیو ورلڈ آرڈر کو للکارنے کی صورت میں ہمیں بھارت کی شرائط پر ہندو ذہنیت سے معاملہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے کسی بالغ نظر اور واقعی و حقیقی قومی قیادت کے فقدان کے باعث سراسر گھاٹے کا سودا ہے اور بصورت دیگر ہمیں سول سپریم پاور یعنی امریکہ کے مجوزہ عالمی نظام کا آلہ کار بننا ہو گا جو سودی قرضوں کی شکل میں کچھ مالی امداد اور دوسرے درجے کے اسلحہ کی فراہمی کے بعد ہماری فوج کو اپنی علاقائی پولیس کے طور استعمال کرنا چاہتا ہے جو بوسنیا اور کشمیر میں تو خون مسلم کی ارزانی پر خاموش تماشائی کا لیکن صومالیہ میں امریکی مفادات کی نگہبانی کا کردار ادا کرے گی اور یہی نہیں بلکہ ہمیں کشمیر سے بھی ہاتھ دھونے ہوں گے جسے امریکہ نئے عالمی استعمار کے لئے چین کے خلاف عسکری اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بظاہر یہ امریکہ کی واحد سپریم پاور کے طور پر تاجپوشی ہے' یو این او اب جس کی ایک باندی ہے اور اسرائیل کی حفاظت اور سرپرستی جس کے دین و ایمان کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ذرا گہرائی

میں جاکر دیکھا جائے تو نیو ورلڈ آرڈر پورے کرۂ ارضی اور بالخصوص تیسری دنیا یعنی ایشیا اور افریقہ کے معاشی استحصال کا منصوبہ ہے جس کی کامیابی کے لئے سیاسی بالادستی کا حصول بھی ضروری ہوگا اور اس سے بھی زیادہ نیچے جائیں تو معلوم ہوگا کہ نیو ورلڈ آرڈر دراصل عیسائی اور یہودی گٹھ جوڑ کا نام ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس گٹھ جوڑ میں بھی خود امریکہ ہی صیہونی سازش کا شکار ہوا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ باخبر لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ گٹھ جوڑ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں پروان چڑھ رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے وضاحت کی کہ "واسپ" یعنی سفید فام اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ اقوام کو تو یہودیوں نے پہلے ہی شیشے میں اتار رکھا تھا تاہم اب اپنے جانی دشمن کیتھولک چرچ سے بھی گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔ اس کا آغاز پوپ کی طرف سے یہودی قوم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کے جرم سے بری کر دینے کے فرمان سے ہوا جس کے بعد پوپ کے ویٹیکان نے اسرائیل کو تسلیم کر کے یروشلم میں اپنا سفارتخانہ کھولنے کا اعلان کیا اور تازہ ترین خبر یہ ہے کہ امریکہ سے واپسی پر اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن نے کوئی شے یا دستاویز یہ کہتے ہوئے پوپ کو پیش کی ہے کہ اس کی حفاظت گزشتہ تین ہزار سال سے ہم کرتے آئے ہیں 'اب یہ امانت آپ کے سپرد کی جاتی ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے منصوبے پر ایشیا اور افریقہ کے ردِّ عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افریقہ تو اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے اور اسے شکار کر لینا امریکہ کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں البتہ ایشیا کا معاملہ توجہ طلب ہے جس میں عالم اسلام کے بیشتر ممالک واقع ہیں اور جہاں مشرق بعید کے بعض ممالک نئے عالمی استعمار کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں آ سکتے ہیں۔ عالم اسلام کے ضمن میں انہوں نے کہا کہ عرب دنیا دو غیر اہم ممالک یعنی لیبیا اور سوڈان کے سوا پورے کا پورا نیو ورلڈ آرڈر کے شکنجے میں جکڑا جا چکا ہے جہاں حکمران تو سب کے سب سربسجود ہیں البتہ کچھ سرپھرے بنیاد پرست نوجوان جانیں ہتھیلیوں پر لئے پھرتے ہیں جو بڑی آسانی سے کچل دیئے جائیں گے۔ عربوں کی رسوائی کا یہ عمل خلیج کے بحران کے بعد مکمل ہوا ہے۔ غیر عرب مسلمان ملکوں میں ایران ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کا مالک ہے جو اگرچہ شیعہ اسلام کا نمائندہ ہے تاہم واحد مسلمان ملک ہے جو حکومتی

سطح پر بنیاد پرستی کے اقرار کی ہمت رکھتا ہے' پھر بھی وہ امریکہ کی ہٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر نہیں' پہلے نمبر پر پاکستان ہی ہے' لیکن یہاں کی بھی دونوں بڑی جماعتیں' سب قابل ذکر سیاسی قوتیں اور سب حکومتی ادارے نیو ورلڈ آرڈر کے سامنے سربسجود ہیں اور افسوس کہ ہماری فوج بھی نئے عالمی استعمار کی پولیس فورس بن چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس کے باوجود امریکہ ہمارے درپے ہے تو اس لئے کہ یہاں متوسط طبقے میں بنیاد پرستی پائی جاتی ہے جو محض جذبات کا جھاگ نہیں بلکہ اس شعور و آگہی کا وزن رکھتی ہے جس کی تجدید علامہ اقبال نے کی اور وسیع نشرواشاعت میں مولانا مودودی جیسے مصنفوں نے حصہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم ایٹمی دانت بھی رکھتے ہیں جو چاہے دودھ کے دانت ہوں لیکن موجود ضرور ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مشرق بعید کے ممالک میں سے چین لوہے کا وہ چنا ہے جسے امریکہ اب تک چبا نہیں سکا۔ پھر شمالی کوریا کی طرف سے بھی نیو ورلڈ آرڈر کو کھٹکا ہے اور جاپان بھی اگرچہ عسکری قوت نہیں تاہم امریکی معیشت کے لئے مستقل خطرہ ہے۔ بھارت امریکہ کے قریب جارہا تھا لیکن کشمیر پر اس کی نظریں بھانپ کر اس نے اپنی حکمت عملی یکسر بدل ڈالی ہے۔ چین سے بھارت نے اپنے تعلقات اس حد تک سنوار لئے ہیں کہ وہ ہم سے دور ہوتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ چین جس کی دوستی پر ہمیں فخر اور اعتماد تھا اب کشمیر کے معاملے میں غیر جانبداری برتنے پر آگیا ہے۔ اس پس منظر میں ہمسایہ برادر ملک ایران کی طرف سے جو تجویز آئی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ خیال تو بہت اچھا ہے کہ ہم ایک نئے بلاک کا حصہ بن کر نئے عالمی استعمار کا مقابلہ کریں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قیمت ہمیں کیا دینی ہوگی۔ اس کی قیمت کشمیر سے تقریباً دست برداری اور اس مسئلہ پر باہمی گفت و شنید سے بھی پہلے بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانا ہوگا۔ ہندو ذہنیت سے مصالحت کی کڑوی گولی نگلنا اور نفرت و انتقام کے ان جذبات کو سرد کرنا کیسے ممکن ہوگا جن کی بھٹی نصف صدی سے دہک رہی ہے اور بالخصوص ان حالات میں کہ ہم بالغ نظر اور حقیقی قومی قیادت سے بھی محروم ہیں جو ڈیگال کی طرح اپنی قوم سے حقائق تسلیم کرانے کی اہل ہو۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہماری قیادت تو اپنے سیاسی افلاس

کے باعث لوگوں کو اپنے پیچھے چلانے کی بجائے خود قوم کے پیچھے چلنے پر مجبور ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم امریکی عالمی استعمار کے مکمل آلۂ کار بن جائیں۔ اس صورت میں ہمیں ہتھیار اور امداد بھی مل جائے گی اور ممکن ہے کہ ہمارے ایٹمی پروگرام کی طرف سے بھی ایک بار پھر آنکھیں بند کرلی جائیں جیسے پہلے روس کو نیچا دکھانے کے لئے بند کرلی گئی تھیں لیکن کشمیر اس شکل میں بھی ہمیں نہیں مل سکے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں دونوں میں سے کسی بھی متبادل کی وکالت نہیں کرتا لیکن اس امر کی شدید ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ قوم کو درپیش اس نازک ترین مرحلے پر ہم سیاسی اور گروہی تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے باہم گفتگو اور بحث و مکالے کا آغاز کریں کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور بعد میں ہاتھ ملنے سے تو ظاہر ہے کہ ہمارا بھلا نہیں ہوگا۔

اپنی گفتگو مکمل کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان دو راستوں کے علاوہ ایک راستہ اور ہے جس کی طرف ہمیں کلام الٰہی سے راہنمائی ملتی ہے۔ یہ ہدایتِ ربانی یوں ہے کہ "اے ایمان والو' یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ ایک دوسرے کے دوست اور پشت پناہ ہیں۔ جو تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔ تم دیکھو گے کہ وہ مسلمان جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے وہ انہی کے اندر گھس رہے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کوئی مصیبت آنے والی ہے جس سے کوئی بچائے گا تو ہمارے یہی دوست"۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس ہدایتِ ربانی میں ہمارے لئے جو سبق ہے وہ اپنی جگہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ عرب حکمرانوں پر تو یہ صد فیصد صادق آتی ہے۔ یہود و نصاریٰ نزول قرآن کے زمانے میں دوست نہ بھی رہے ہوں تو آج ان کا گٹھ جوڑ بہرحال سامنے کی بات ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اس موقعہ پر جب ہمارے دوست ہمیں چھوڑ گئے ہیں' خدا اور خودی کی بیک وقت بازیافت کا ایک سنہری موقعہ ہمیں میسر آیا ہے جس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ ○○

قاضی حسین احمد سے اتّفاق اور اختلاف

ڈاکٹر اسرار احمد

زیرِ نظر مضمون امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جناب قاضی حسین احمد کے امارت جماعت کے استعفے کے بعد اور امیر جماعت اسلامی کے لئے ہونے والے حالیہ الیکشن سے قبل سپرد قلم کیا تھا جو روزنامہ جنگ میں بالاقساط شائع ہوا۔ جیسا کہ اس مضمون میں امیر تنظیم نے بھی اس توقع کا اظہار کیا تھا' مذکورہ الیکشن میں محترم قاضی صاحب ہی نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ جب تک یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے قاضی صاحب محترم کی حلف برداری کا مرحلہ بھی طے ہو چکا ہو۔ قاضی صاحب نے بحیثیت امیر' جماعت اسلامی کو جس انداز سے چلایا اس کی مخالفت اور اس کے حق میں بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے' تاہم اس مضمون کے ذریعے چونکہ نہ صرف یہ کہ یہ بات بالکل روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ کون سے امور ہیں جن میں امیر تنظیم اسلامی' محترم قاضی صاحب کی آراء سے اتفاق رکھتے ہیں اور کن معاملات میں انہیں قاضی صاحب کی رائے یا لائحہ عمل سے اختلاف رہا ہے' بلکہ آئندہ بھی جماعت اسلامی کی قیادت جس دوراہے سے دوچار ہو گی اس کا تعین بھی بڑے واضح انداز میں ہوتا ہے لہٰذا اسے یکجا اور مرتب صورت میں شامل شمارہ کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ویسے تو یہ بات پہلے بھی کچھ ڈھکی چھپی نہیں تھی' لیکن اب جماعت اسلامی کی امارت سے قاضی حسین احمد کے استعفے کے خط نے تو اس حقیقت کو بالکل ہی طشت از بام کر دیا ہے کہ قاضی صاحب کی حمایت اور مخالفت کی شدّت نے جماعت کو بری طرح تقسیم کر دیا ہے۔ اور یہ پولارائزیشن جماعت کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ' اور عام ارکان اور کارکنان کے حلقوں سے بھی شدید تر کیفیت کے ساتھ جماعت کے ہمدردوں' بہی خواہوں' اور "سرپرستوں" کے حلقوں میں پائی جاتی ہے ---- تاہم جب یہ بات میرے علم میں پہلی بار آئی تھی کہ جماعت کے حامیوں اور ہمدردوں کے

ایک حلقے میں انہیں "جماعت اسلامی کا گورباچوف" قرار دیا جا رہا ہے تو بہت حیرت ہوئی تھی۔ اور اگرچہ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لفظ سب سے پہلے جماعت اسلامی کے قدیمی اور روایتی مخالف خان عبدالولی خان نے استعمال کیا تھا' تاہم میرے علم میں یہ لفظ جس گفتگو کے حوالے سے آیا اس میں چونکہ کچھ تذکرہ میرا بھی تھا' لہٰذا آج کی صحبت میں اسی کے ضمن میں کچھ وضاحتی گزارشات پیش خدمت ہیں۔

اس بحث کا پس منظر

اس گفتگو کے راوی ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی قائم کردہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کے موجودہ مدار المہام چودھری مظفر حسین صاحب ہیں۔ (میں تقریباً ڈھائی ماہ ملک سے باہر گزار کر وسط اکتوبر ۹۳ء میں واپس وطن آیا تھا۔ اور یہ گفتگو اس کے دو تین ہفتے بعد یعنی اواخر نومبر یا اوائل دسمبر کی ہے۔) چودھری صاحب راوی ہیں کہ جماعت اسلامی کے بعض وابستگان اور احباب کی ایک ایسی محفل میں' جس میں قاضی صاحب کے مخالفین جمع تھے' کسی صاحب نے اس ناچیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "ڈاکٹر صاحب کے دل میں تو قاضی صاحب کے لئے بڑا نرم گوشہ محسوس ہوتا ہے!" جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب نے کہا: "ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ قاضی صاحب جماعت اسلامی کے گورباچوف ہیں!" جس پر پوری محفل زعفران زار بن گئی۔

یہ گفتگو خواہ لائٹ موڈ ہی میں ہوئی ہو بہرحال کچھ لوگوں کے ان خیالات کی ترجمانی یا کم از کم غمازی کرتی ہے کہ: (۱) میں جماعت کا مخالف اور بدخواہ ہوں۔ اور (۲) قاضی صاحب کے بارے میں اچھی رائے اس لئے رکھتا ہوں کہ ان کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعت اسلامی سوویٹ یونین کے سے حشر کے ساتھ دوچار ہو رہی ہے!

حقیقتِ حال

ان میں سے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے' یہ مجھ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ میں جماعت اسلامی کی قیامِ پاکستان کے بعد کی پالیسی کے ایک جزو سے یقیناً شدید اختلاف رکھتا ہوں' اور اسی کی بنا پر ۱۹۵۷ء میں جماعت کی رکنیت سے مستعفی بھی ہوا تھا' لیکن جماعت کا "مخالف یا بد خواہ" نہ میں پہلے کبھی تھا نہ اب ہوں۔ بلکہ میرے قریبی احباب اور رفقائے کار اس سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اکتوبر ۹۳ء کے انتخابات میں جو "حشر" پاکستان اسلامک فرنٹ کے عنوان سے جماعت اسلامی کا ہوا ہے اس کی بنا پر میں ایک شدید صدمے کی سی کیفیت سے دوچار رہا ہوں۔ اگرچہ یہ صدمہ انتخابات میں شکستِ فاش کا نہیں' بلکہ اس بات کا ہے کہ دل کے ایک گوشے میں جو امید اب تک کسی درجہ میں برقرار تھی کہ شاید ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق جماعت اپنے سابقہ طریق کار کی جانب مراجعت کر لے' اس نے ع "اڑتے اڑتے دُور افق پر آس کا پنچھی ڈوب گیا!" کے سے انداز میں دم توڑ دیا۔ اس لئے کہ ایک تو جماعت شدید انتشار اور خلفشار سے دوچار ہو گئی' چنانچہ "بنیانِ مرصوص" تو کجا وہ "ون پیس" بھی نہ رہی' اور دوسرے اس نے اپنی انتخابی مہم کے دوران جو گھٹیا اور بازاری' اور دینی اعتبار سے صرف مکروہ ہی نہیں حرامِ مطلق طور طریقے اختیار کئے ان کے باعث اپنے دینی اور مذہبی تشخص کو تو بالکل ع "میرے اسلام کو اِک قصۂ ماضی سمجھو!" کے سے انداز میں خیرباد کہہ دیا! رہی یہ بات کہ وہ اس کے باوجود لیلائے اقتدار کے ساتھ ع "ہنس کے وہ بولی کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو!" کے مصداق ہمکنار نہ ہو سکی' تو یہ "خَسِرَ الدُّنیَا وَ الآخِرَة" کی منہ بولتی تفسیر ہے' جس پر سوائے "اِنّا للہ و انا الیہ راجعون!" پڑھنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے!

بہرحال اس ضمن میں میں اس وقت کوئی نئی بات کہنے کی بجائے اپنی اب سے لگ بھگ بارہ برس قبل کی ایک تحریر نقل کر رہا ہوں جو ایک خط کی صورت میں ہے جو اُس

وقت کے امیر جماعت میاں طفیل محمد صاحب کے نام لکھا گیا تھا' اور ماہنامہ "میثاق" لاہور کی جولائی ۸۲ء کی اشاعت میں بھی شائع ہو گیا تھا اور اب "تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب" نامی تالیف میں بھی صفحات ۳۲۵ تا ۳۲۷ پر مطبوعہ موجود ہے۔ وہو ہذا:

" محترمی و مکرمی میاں صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'!

مزاج گرامی!

مسلمان معاشرے میں خواتین کے فرائض اور دائرۂ کار کے بارے میں میری ایک رائے کے خلاف جو مظاہرہ کراچی کی کچھ مغرب زدہ خواتین کی جانب سے ہوا تھا اس پر آپ کا جو مومنانہ رد عمل سامنے آیا اور میرے ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" کو جاری رکھنے کا جو پر زور مطالبہ آپ نے کیا اس پر میری جانب سے ہدیۂ تشکر قیم تنظیم اسلامی قاضی عبد القادر صاحب نے آپ کو پہنچا دیا تھا اور اس پر آپ کا جواب بھی جناب اسلم سلیمی صاحب کی وساطت سے مجھے مل گیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ نے جو کچھ کیا نصح دینی کے جذبے کے تحت اور اپنا فرض سمجھ کر کیا جس پر کسی شکریئے کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی آپ کے خلوص و اخلاص ہی کا مظہر ہے! (حال ہی میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ایک بزرگ رفیق کار شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے بھی آپ کو شکریئے کا خط لکھا تھا اور ان کے نام جوابی خط میں بھی آپ نے ان ہی جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔)

میرے اس عریضے کی تحریر کا اصل محرک آپ کی اس تقریر کی اخباری رپورٹ ہے جو آپ نے پچھلے دنوں لاہور میں "تعلیم القرآن کانفرنس" میں کی تھی جس میں اس اخباری اطلاع کے مطابق آپ نے جملہ مسلمانانِ پاکستان کو دعوت دی تھی کہ وہ اسلام اور قرآن کی اساس پر متحد ہو جائیں ----اس ضمن میں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اخباری اطلاع درست ہے تو

آپ کے پاس اِس اتحاد کے لئے تفصیلی پروگرام کیا ہے؟ اور آیا اس سے مراد کالعدم جماعت اسلامی (واضح رہے کہ اس زمانے میں سیاسی جماعتوں پر عمومی پابندی کے نتیجے میں جماعت اسلامی بھی، اگرچہ فی الواقع بہت فعال، تاہم قانونی طور پر "کالعدم" تھی) میں شمولیت کی دعوت ہے؟ یا یہ کسی وسیع تر دینی اتحاد کی پیشکش ہے؟ اور اگر یہ وسیع تر دینی اتحاد کی دعوت ہے تو بالفرض اگر میں آپ کی اس پکار پر لبیک کہوں تو ایک طرف مجھے کیا تقاضے پورے کرنے ہوں گے اور آپ کی مجھ سے توقعات کیا ہوں گی، اور دوسری طرف اِس مجوزہ 'تَعَاوُن عَلَی البِرِّ وَ التَّقوٰی' کے ضمن میں اشتراکِ عمل کے لئے کون سا میدانِ کار آپ کے سامنے ہے؟

میں چونکہ یہ سوال محض سرِراہے، یا برسبیلِ شغل نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس میں پوری طرح سنجیدہ ہوں لہٰذا --- اس کے باوصف کہ میرا گمان ہے کہ تحریک اسلامی کے قائد ہونے کے ناطے آپ ان امور سے ناواقف نہیں ہوں گے --- تاہم اپنے بارے میں چند وضاحتیں کئے دیتا ہوں:

(۱) مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے مجموعی دینی فکر میں دین کے باطنی عنصر (یعنی وہ Esoteric Element جو عام طور پر "تصوف" کے عنوان سے جانا پہچانا جاتا ہے) کی کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے کے باوجود دین کا جو انقلابی اور تحریکی تصور انہوں نے پیش فرمایا اور خصوصاً فرائضِ دینی کی جو نشان دہی انہوں نے کی اس کا میں نہ صرف یہ کہ پوری طرح قائل ہوں بلکہ اپنی بساط بھر اس پر عامل بھی ہوں ---- فَلِلّٰہِ الحَمد !!

(۲) جماعت اسلامی کی قبل از تقسیم ہند پالیسی کو مجموعی اعتبار سے میں آج بھی صحیح سمجھتا ہوں۔ البتہ جماعت اسلامی پاکستان کی بعد از تقسیم پالیسی کو میں صرف غلط ہی نہیں سابقہ موقف سے انحراف کا مظہر سمجھتا ہوں ---- اور اپنی مقدور بھر کوشش اس امر کی کر رہا ہوں کہ اس سابقہ نہج پر ایک تحریک دوبارہ اٹھے۔ اور اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے

اور تحریکیں روز روز نہیں اٹھا کرتیں لیکن اپنے شعورِ فرض کے مطابق کوشش کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردینے میں' میں کامیابی کی واحد صورت مضمر دیکھتا ہوں۔ لہٰذا جیسے تیسے کوشش میں لگا ہوا ہوں تاکہ اور کچھ نہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور "معذرت" تو پیش کرسکوں!

(۳) میں دیکھ رہا ہوں کہ ثلث صدی کی سیاسی جدوجہد کے حاصل اور دوبار کے شدید مایوس کن اور تلخ تجربوں کے بعد اب جماعت کا مجموعی رخ سیاست سے دعوت و تبلیغ کی طرف مڑ رہا ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس تبدیلی میں انقلابی رنگ شعوری اور واضح طور پر اجاگر نہ ہوا تو یہ تبدیلی مفید نہیں بلکہ مضر ہوگی۔ اور اس انقلابی رنگ کو شعوری اور واضح طور پر از سرِ نو اجاگر کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ سابقہ غلطی کا واضح اور برملا اعتراف و اعلان ہو ----- اور یہی وہ اصل مشکل ہے جس کے حل کی کوئی امید نہیں' بقول اقبال ؏ "منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!" تاہم اس سب کے باوجود ----- اگر کسی وسیع تر دینی اتحاد اور اشتراکِ عمل کا کوئی واضح پروگرام آپ کے سامنے ہو تو ان شاء اللہ العزیز آپ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس ضمن میں "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" کی سی شان کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے پائیں گے!!

اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے کسی گفتگو یا تبادلۂ خیال کی ضرورت محسوس فرمائیں تو بلا جھجک جب چاہیں طلب فرمالیں' میں بخوشی حاضر ہو جاؤں گا۔ فقط والسلام

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ "

اپنے اس خط پر اِس وقت میں ان چند جملوں کا اضافہ مزید چاہتا ہوں کہ:

(۱) میرے نزدیک اِس وقت پورے عالمِ اسلام میں احیائے اسلام کی جو عظیم لہر چل رہی ہے' جسے اسلام کے دشمن "اسلامک فنڈامنٹلزم" کے نام سے موسوم کررہے

ہیں' وہ ایک ہی عظیم تر تحریک ہے' جس میں مختلف مسلمان ممالک کے مقامی حالات اور نفسیات کے فرق کی بنا پر جو فرق وتفاوت ہے وہ بس اسی نوعیت کا ہے جس کی عکاسی نعیم صدیقی صاحب کا یہ شعر کرتا ہے کہ۔

ہے ایک ہی جذبہ' کہیں واضح' کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ' کہیں اونچا' کہیں مدھم!

(۲) برعظیم پاک وہند میں اس تحریک کے لئے ذہنی اور فکری فضا تو علامہ اقبال نے ہموار کی تھی' لیکن اس کی اساس پر دعوت و تنظیم کی عملی پیشقدمی اولاً شروع کی تھی مولانا ابوالکلام آزاد نے "حزب اللہ" کی صورت میں' اور ان کے مایوس اور بددل ہو کر اس سے دستکش ہو جانے کے بعد' اس کا پورے زور و شور کے ساتھ "اِحیاء" کیا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے "جماعت اسلامی" کی شکل میں! جو غیر منقسم ہندوستان میں تو قومی سیاست کے دھارے سے علیحدہ رہ کر "ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت" کی حیثیت سے کام کرتی رہی لیکن قیام پاکستان کے بعد اس نے "ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت" کا رول اختیار کرلیا۔

(۳) تاہم یہ میرے نزدیک جماعت اسلامی پاکستان کا صرف جماعتی رول ہے' عظیم تر تحریک اسلامی کا اصل اور اصولی رول نہیں! اور میرے نزدیک اصل اہمیت نہ افراد و اشخاص کی ہے' نہ جماعتوں اور تنظیموں کی' بلکہ اس عظیم تر تحریک کی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' لہٰذا میں خود جماعت اسلامی پاکستان سے تو یقیناً جدا بھی ہوں' اور اختلاف بھی رکھتا ہوں' لیکن اس اصل اصولی انقلابی تحریک اسلامی سے بحمد اللہ نہ صرف یہ کہ آج تک پوری "وفاداری بشرطِ استواری" کی سی کیفیت کے ساتھ وابستہ ہوں' بلکہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سے کسی پسپائی یا معنوی ارتداد اختیار کرنے سے قبل میری موت واقع ہو جائے۔

قاضی صاحب کے بارے میں میری رائے!

رہی قاضی حسین احمد صاحب کے بارے میں میری رائے تو اس کے ضمن میں فطری اور طبعی طور پر وقتاً فوقتاً اور درجہ بدرجہ کچھ تبدیلیاں آتی رہی ہیں جن کے ضمن میں کسی قدر تفصیلی وضاحت کی ضرورت ہے۔

چنانچہ جہاں تک ان کی ذاتی صلاحیتوں کا تعلق ہے اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ایک نہایت باصلاحیت' محنتی' فعال اور متحرک انسان ہیں۔ اور اس میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی کو اس گومگو اور تذبذب بلکہ جمود کی کیفیت سے نکال کر جس میں وہ میاں طفیل محمد صاحب کے دورِ امارت اور خصوصاً جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں مبتلا رہی تھی ایک بار تو واقعتاً ایک زندہ' متحرک اور فعال جماعت بنادیا تھا۔ تاہم مجھے ان سے اصل توقع اس بات کی تھی کہ وہ جماعت کو اقتدار کی کشاکش اور انتخابی سیاست کی دلدل سے نکال کر کسی انقلابی طریق کار پر عمل پیرا کر سکیں گے۔

میری اس امید کی سب سے بڑی بنیاد یہ تھی کہ ان کا ایک نہایت گہرا اور فعال تعلق افغان جہاد سے رہا تھا اور افغان رہنماؤں میں سے ان کے خصوصی تعلقات گلبدین حکمت یار صاحب کے ساتھ رہے تھے' جن کے بعض اقدامات سے تو مجھے بھی اختلاف ہے' لیکن ان کے ایک انقلاب آفریں شخصیت کے حامل ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں ہے' بلکہ مستقبل میں افغانستان میں اسلام کی عملی سربلندی کی امیدیں ان ہی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور اب سے سات آٹھ سال قبل جب حکمت یار صاحب نے مجھے اپنے اس کیمپ کے معائنے کی دعوت دی تھی جو وارسک ڈیم سے متصل واقع تھا تو اس موقع پر ان سے جو مفصل گفتگو ہوئی تھی اس کا حاصل یہی تھا کہ انہوں نے قاضی صاحب کو قائل کرلیا ہے کہ اس انتخابی سیاست کے راستے سے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا' اس کے لئے کسی متبادل راستے کی

تلاش لازمی ہے!

اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایک اطلاع مجھے ملتان سے ملی‘ جس سے اس امید کو مزید تقویت حاصل ہوئی‘ اور وہ یہ کہ وہاں ایک تقریب میں جماعت کے ایک اہم رکن بلکہ رہنما جناب صادق خان خاکوانی نے قاضی صاحب سے اپنے چھوٹے بھائی کا تعارف کراتے ہوئے‘ جنہوں نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کرلی تھی‘ کسی قدر استہزائیہ انداز میں کہا: "انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے بیعت کرلی ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کریں گے!" تو غالباً وہ قاضی صاحب سے تو اپنے اس طنز کے نہلے پر کسی دہلے کے انتظار میں تھے‘ لیکن قاضی صاحب نے یہ کہہ کر انہیں مایوس کردیا کہ "کوئی تیر تو اب تک ہم نے بھی نہیں مار لیا ہے!"

قصہ مختصر‘ اس نوع کی متعدد اطلاعات سے میری اس امید کو‘ جس کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے‘ تقویت حاصل ہوئی تھی کہ قاضی صاحب کے ہاتھوں ان شاء اللہ جماعت کی پالیسی میں بنیادی تبدیلی آجائے گی اور وہ دوبارہ اپنے دعوتی و انقلابی طریق کار پر عمل پیرا ہوجائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ "بنیادی تبدیلی" آئی تو ضرور لیکن غالب کے اس قول کے مطابق کہ ع "آئیں وہ یاں خدا کرے‘ پر نہ خدا کرے کہ یوں!" بالکل برعکس سمت میں!

اے بسا آرزو.....

جماعت اسلامی کی امارت کا منصب سنبھالنے کے بعد قاضی صاحب کے مزاج میں جو تبدیلیاں آئیں ان کے بارے میں‘ واقعہ یہ ہے کہ‘ میں تاحال یہ فیصلہ نہیں کرپایا کہ آیا وہ ع "دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر!" کے برعکس صورت حال کا نتیجہ تھیں‘ یا اس کا کہ ان کے ذہن‘ قلب اور مزاج پر جماعت کے اندر ہی کے کسی ایسے "قبضہ گروپ" کا تسلط ہوگیا جو قوت و اقتدار کی سیاست کا خوگر‘ رسیا اور ماہر ہے‘ یا اس کا کہ وہ نادانستہ طور پر جماعت کے باہر کے کسی حلقے کے آلہ کار بن گئے؟ (جیسا کہ

بہت سے لوگوں کا خیال ہے!)----واللہ اعلم!

بہر صورت میرا ماتھا اولاً تو اس وقت ٹھنکا تھا جب انہوں نے اینٹی انڈیا بیانات میں وہ انداز اختیار کیا تھا جو کسی عوامی اور خالص سیاسی جماعت کی تیسری چوتھی صف کے کارکنوں کے لئے تو مناسب ہو سکتا تھا' جماعت اسلامی ایسی ثقہ اور سنجیدہ دینی جماعت' اور اس کے بھی امیر کے ہرگز شایانِ شان نہ تھا! اور پھر خلیج کی جنگ کے دوران جو روش انہوں نے اختیار کی وہ تو ان خالص "سیاسی حیوانوں" کی روش سے قطعاً مختلف نہ تھی جن کا مقصدِ زندگی ہی صرف یہ ہوتا ہے کہ عوامی جذبات کی کسی بھی چڑھتی لہر پر سوار ہو کر جلد از جلد ایوانِ اقتدار تک پہنچ جائیں' قطع نظر اس سے کہ جذبات کا وہ ریلا دُور رس اور دیرپا نتائج کے اعتبار سے ملک و قوم کے لئے مضر بلکہ مہلک ہی ہو! ----- مزید بر آں' اس کے ضمن میں عام سیاستدانوں کی معروف روش کے مطابق انہوں نے "کہہ مکرنی" کا جو سلسلہ اختیار کیا اس سے خواہ جماعت کے عام کارکنوں کی کچھ تسلی ہو گئی ہو' جملہ سیاسی و صحافتی حلقوں میں ان کی عزت اور وقار کا دھیلا ہو گیا!

اس کے بعد جب جماعت اسلامی قاضی صاحب کی قیادت میں "آئی ایس آئی" کے ذریعے وجود میں آنے والی "آئی جے آئی" میں شریک ہوئی تو اگرچہ یہ اتحاد ان ہی "جاگیرداروں اور سرمایہ داروں" کے ساتھ تھا جن کے خلاف نعروں سے جماعت کے کارکنوں نے چند ہی دن پہلے لاہور کی دیواروں کو سیاہ کر دیا تھا' تاہم میرے نزدیک یہ بھی اسی سیاسی مزاج اور حکمت عملی کی توثیق مزید تھی جس پر جماعت تو ایک طویل عرصے سے کاربند تھی ہی' اب واضح ہو گیا تھا کہ قاضی صاحب بھی اس رخ پر گامزن ہیں!

البتہ جب انتخابات میں آئی جے آئی کی کامیابی کے بعد اس میں شامل رہتے ہوئے جماعت نے حکومت میں شمولیت سے انکار کر کے ایک "داخلی محتسب" کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو اگرچہ مروّجہ سیاست کے اصولوں کے اعتبار سے تو یہ ایک غیر منطقی اور غیر اصولی بات تھی' تاہم میں نے اسے جماعت کے تشخص کو از سرِنو بحال کرنے کی

سعی کی حیثیت سے جماعت کی اپنے اصولی انقلابی طریق کار کی جانب مراجعت کے امکان کا مظہر قرار دیتے ہوئے خوش آمدید کہا تھا۔

قاضی صاحب سے براہ راست رابطہ

انہی دنوں جناح ہال لاہور میں مولانا سید حامد میاںؒ (مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور و نائب امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان) کی یاد میں ایک جلسہ مولانا خان محمد مدظلہٗ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں' وصدر مجلس تحفظِ ختم نبوت پاکستان' کی صدارت میں منعقد ہوا' جس میں دوسرے بہت سے مقررین کے ساتھ ساتھ خطاب کی دعوت مجھے بھی تھی اور قاضی صاحب کو بھی' تو وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ جلسے کے سٹیج سیکریٹری مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب تقریباً ہر مقرر کو دعوتِ خطاب دیتے ہوئے یہ اپیل کرتے رہے کہ خدارا اس انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر کسی متبادل طریق کار پر غور فرمایئے۔ چنانچہ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا کہ "سب جانتے ہیں کہ میرے تو یہ دل کی آواز ہے' تاہم اس پر گفتگو اس قسم کے جلسۂ عام میں نہیں محدود انداز کی مشاورتی مجالس میں ہونی چاہئے"۔ میں تو اپنی ایک مجبوری کے باعث تقریر کر کے واپس آگیا۔ اُس وقت تک' جہاں تک یاد پڑتا ہے' قاضی صاحب وہاں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ قاضی صاحب کا ردِّ عمل اس پر بہت مثبت تھا اور انہوں نے صدرِ جلسہ مولانا خان محمد مدظلہ' سے درخواست کی کہ اس معاملے میں وہ ہی کسی گفت و شنید کا آغاز فرمائیں۔ چنانچہ اس پر دل میں پھر امید کے کچھ چراغ روشن ہوئے اور میں نے ۸ جنوری ۱۹۹۱ء کو قاضی صاحب کی خدمت میں حسب ذیل خط ارسال کیا :

"محترم برادرم قاضی حسین احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' مزاج گرامی!

۵ جنوری کی شام کو جلسہ بیاد مولانا سید حامد میاںؒ میں میں نے عرض کیا تھا

کہ پاکستان میں اقامتِ دین اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد کے سلسلے میں طریق کار کے بارے میں باہمی مشاورت یا کم از کم تبادلہ خیالات کی صورتیں نکالی جانی چاہئیں---- مجھے تو اپنی ایک مصروفیت کے باعث فوراً ہی روانہ ہو جانا پڑا تھا ---- شیخ جمیل الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا کہ بعد میں آپ نے اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا خان محمد صاحب سے اس سلسلہ میں initiative لینے کی فرمائش کی تھی---- میری حقیر رائے میں اس سلسلہ میں کسی بڑے اجتماع کے انعقاد سے قبل نجی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جانا چاہئے۔ پھر اگر ان میں کوئی مثبت پیش رفت ہو تو بات آگے بھی بڑھائی جا سکتی ہے۔

مجھے ۳۶ سال قبل کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے---- یہ اواخر نومبر یا اوائل دسمبر ۵۴ء کی بات ہے' میں ایم بی بی ایس سے فارغ ہو کر ابھی منٹگمری (ساہیوال) پہنچا ہی تھا' مولانا مودودی مرحوم ان دنوں ملتان جیل میں نظر بند تھے ------ منٹگمری سے چند لوگ ان سے ملاقات کے لئے ملتان گئے تھے جن میں میں بھی شامل تھا۔ اس ملاقات میں میں نے مولانا سے یہ مختصر سوال کیا تھا: "کیا ابھی آپ اس طریق کار سے مایوس نہیں ہوئے جو آپ نے بعد از قیامِ پاکستان اختیار فرمایا تھا؟" مولانا کا بھی اتنا ہی مختصر جواب تھا: "ابھی میں اس طریق کار کے لئے راستے بند نہیں پا رہا!"

آج بھی میں اسی سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہوں کہ: "کیا آپ ابھی اس کے قائل نہیں ہوئے کہ انتخابی سیاست سے کامل کنارہ کشی کر کے خالص پریشر گروپ کا رول اختیار کیا جائے؟"---- میرے خیال میں جماعت اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ leading role ادا کر سکتی ہے بلکہ دوسرے تمام حلقوں کے مخلص کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتی ہے! تاہم تفصیل ملاقات ہی میں بیان ہو سکتی ہے!

آخر میں اس شرط کا اعادہ مناسب سمجھتا ہوں جس کا ذکر میں نے اپنی تقریر میں بھی کیا تھا۔۔۔۔یعنی یہ کہ کسی بھی گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کی افادیت اور نتیجہ خیزی اس بات سے مشروط ہے کہ جانبین ایک دوسرے کو مخلص سمجھتے ہوں۔ الحمدللہ کہ مجھے ذاتی طور پر آپ کے خلوص پر پورا اعتماد ہے۔۔۔۔اب اگر آپ بھی اپنے دل میں یہ احساس موجود پائیں کہ میں احیاء اسلام' اور اقامتِ دین کے بلند و بالا مقاصد کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتا ہوں اور جماعت اسلامی سے میرا اختلاف صرف طریق کار کا ہے۔۔۔۔۔۔تو اتوار ۱۳ جنوری سے جمعرات ۱۷ جنوری تک کسی بھی دن' کسی بھی وقت' خواہ آپ زحمت فرمالیں' خواہ مجھے طلب فرمالیں'۔۔۔۔پہلی صورت کو اپنے لئے باعثِ اعزاز' اور دوسری کو موجبِ سعادت سمجھوں گا!

بصورتِ دیگر۔۔۔۔یعنی اگر آپ کو میرے خلوص پر اعتماد نہ ہو تو اس خط کو پھاڑ کر پھینک دیجئے' کسی جواب کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فقط والسلام' خاکسار اسرار احمد عفی عنہ "

اس کے جواب میں' میں ممنون ہوں کہ' قاضی صاحب نے مجھے ہی "سعادت کے حصول کا موقع عنایت فرمایا۔ چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حسب ذیل گذارشات پیش کیں۔ (واضح رہے کہ یہی گذارشات میں اس سے قبل کراچی میں جناب محمود اعظم فاروقی اور پروفیسر عبدالغفور احمد کی خدمت میں بالمشافہ پیش کرچکا تھا!)

" اگر جماعت اسلامی مستقل طور پر' یا جیسے کہ جماعت کے ایک سابق رکن (جنہیں جماعت سے خارج کردیا گیا تھا) ڈاکٹر محمد امین صاحب نے کہا تھا' کم از کم آئندہ پچیس برس کے لئے انتخابات کے میدان سے کنارا کشی کا اعلان کردے' تو اس سے حسب ذیل دو مثبت نتیجے تو فوری طور پر نہ صرف جماعت اسلامی' بلکہ بحیثیتِ مجموعی خود دین و مذہب' اور ملت و امت کے حق

میں بر آمد ہوں گے:

ایکؔ یہ کہ پاکستان کے تمام دینی جذبات کے حامل عوام کو جو شدید شکایت ہر انتخاب کے بعد جملہ مذہبی جماعتوں سے پیدا ہوتی ہے' یعنی یہ کہ یہ جماعتیں اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں الیکشن میں حصہ لے کر اور اس طرح اسلام کے حامی ووٹوں کو تقسیم کرا کے لادینیت' الحاد' اور اباحیت کے علمبرداروں کی فتح کا سبب بن جاتی ہیں' اس سے کم از کم جماعت بری ہو جائے گی۔ اور یہ DISCREDIT کم از کم اس کے حصے میں نہیں آئے گا۔ جس سے عوام میں جماعت کے لئے ہمدردی اور حمایت کے جذبات پیدا ہوں گے جو کسی آئندہ فیصلہ کن مرحلے پر اہم ہی نہیں حقیقتاً "فیصلہ کن" ثابت ہو سکتے ہیں۔

دوسرؔے یہ کہ چونکہ سب جانتے ہیں کہ جماعت کا ایک چھوٹا یا بڑا ووٹ بینک بہر حال موجود ہے' لہٰذا جملہ مذہبی اور سیاسی جماعتیں جماعت کا رخ کریں گی اور چاہیں گی کہ جماعت کے ووٹران کے امیدواروں کے حق میں رائے دیں۔ اس سے ایک جانب اس فرقہ واریت کی شدت میں کمی ہو گی جو سب کے نزدیک پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اور دوسری جانب عام سیاسی جماعتوں سے بھی متعین معاملات میں ایسی COMMITMENTS حاصل کی جا سکیں گی جو اسلام کے قیام و نفاذ میں مفید و معاون ثابت ہوں۔

پھر انتخابی سیاست کے محاذ سے کنارہ کش ہو کر جماعت جب اپنی پوری قوت کو ذہنی و فکری اور عملی و اخلاقی انقلاب اور نہی عن المنکر پر مرکوز کر دے گی تو اس سے بھی بہت قلیل مدت کے اندر اندر دوؔ مثبت نتائج پیدا ہوں گے :

ایکؔ یہ کہ جماعت کا اپنا تنظیمی قاعدہ (BASE) اپنے جملہ موجودہ اخلاقی و عملی معیارات کو برقرار رکھنے کے باوجود وسیع ہو گا جس سے مستقبل

کے کسی اقدام کے لئے اصل قابل اعتماد قوت فراہم ہوگی۔

اور دوسری جانب باقی تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے مخلص کارکن بھی جماعت کی جانب کشش محسوس کریں گے۔ اس لئے کہ اس حقیقت کو تو سب لوگ برملا تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس انتخابی راہ سے ممکن نہیں ہے' تاہم چونکہ کوئی قابل لحاظ متبادل قوت میدان میں موجود نہیں ہے' لہٰذا چار و ناچار "جمودِ محض کے مقابلے میں تو بغیر آگے بڑھے اپنے مقام پر کھڑے کھڑے حرکت کرتے رہنا یعنی MARK-TIME بھی بہتر ہے!" کے اصول کے تحت اپنی اپنی تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں۔"

قاضی صاحب نے میرا اکرام بھی بہت فرمایا' اور طعام بھی بہت اعلیٰ کھلایا' مزید برآں میرے استدلال کی صحت کو بھی تسلیم کیا' لیکن آخری بات یہ فرمائی کہ یہ تمام کام انتخابی عمل میں شرکت و شمولیت کے ساتھ ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی جماعت میں شامل ہو جائیں اور خود اسی نہج پر کام کرتے رہیں۔ اس سے میں نے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور عرض کیا کہ میرے نزدیک ان دونوں کاموں کے تقاضے اتنے مختلف ہی نہیں اس قدر متضاد ہیں کہ کسی ایک "چھت" کے نیچے انہیں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ میں نے اپنی اس پرانی پیشکش میں' کہ اگر جماعت انتخابی عمل سے دستکش ہونے کا اعلان کر دے تو میں اپنے تمام ساتھیوں سمیت جماعت میں شامل ہو جاؤں گا' یہ کمی تو ڈاکٹر محمد امین صاحب کی تجویز کے سامنے آتے ہی کر دی تھی کہ مستقل طور پر نہ سہی اگر الیکشن سے کنارہ کشی کا فیصلہ کم از کم پچیس سال کے لئے کر لیا جائے تو بھی میں شمولیت اختیار کر لوں گا' لیکن اس واضح اعلان کے بغیر میں اپنے نقشہء کار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا بلکہ جو کام اس وقت کر رہا ہوں' وہ جس پیمانے پر بھی مجھ سے بن آ رہا ہے' کرتا رہوں گا۔ چنانچہ اسی بات پر ہماری گفتگو اور ملاقات اختتام کو پہنچ گئی۔

قاضی صاحب سے ایک دوستانہ گلہ

اب اس سے قبل کہ میں اپنی چندان باتوں کی "وضاحت" کروں جو میں نے الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی صاحب کی بعض آراء کی تائید و تصویب میں کہی تھیں' قاضی صاحب سے ایک دوستانہ گلہ ریکارڈ پر لے آنا چاہتا ہوں جو مجھے اپنے حالیہ سفرِ حجازِ مقدس کے دوران ان کی ایک گفتگو کے حوالے سے پیدا ہوا ہے۔ یہ گیارہ یا بارہ جنوری کی بات ہے کہ جدہ میں جماعت اسلامی کے دو وابستگان سے گفتگو کے دوران قاضی صاحب کا یہ قول نقل ہوا کہ: "کوئی متبادل طریق کار تو ڈاکٹر صاحب نے بھی پیش نہیں کیا!" ---- قاضی صاحب کو میری رائے کو رد کر دینے کا اختیار جس طرح اس سے قبل حاصل تھا اب بھی حاصل ہے اور وہ یہ بھی کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ جو متبادل راستہ میں پیش کر رہا ہوں وہ ناقابل عمل ہے' لیکن "منہج انقلابِ نبوی ﷺ" کے موضوع پر میری بے شمار تقاریر' اور ان کے آڈیو اور وڈیو کیسٹوں پر مستزاد پونے چار سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب جس میں میں نے اس موضوع پر بھی اپنی رائے تفصیل کے ساتھ پیش کر دی ہے کہ آج کے بدلے ہوئے حالات میں نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے آخری مرحلے کے ضمن میں کیا اجتہادی تبدیلی ضروری ہے---- اور ان سب پر مستزاد میری اس مفصل ملاقات کے بعد بھی اس "تجاہلِ عارفانہ" پر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؎

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے!

عَنِ الحَارِثِ الاشعرِی، قَالَ، قَالَ رسُولُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلیہِ وَسَلّمَ:
"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ
بِالجَمَاعَۃِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَۃِ وَالھِجرَۃِ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ"
(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

الیکشن ۹۳ء سے قبل
قاضی صاحب سے اتفاق اور اختلاف

الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی حسین احمد صاحب نے جن آراء اور خیالات کا اظہار کیا ان میں سے تین امور کی میں نے بھرپور اور اعلانیہ تائید کی تھی' چنانچہ اُس وقت بھی میں نے اس کا اظہار نہ صرف یہ کہ اپنے لاہور اور کراچی کے خطباتِ جمعہ میں کیا تھا بلکہ دوسرے بہت سے مقامات پر خطاباتِ عام میں بھی کیا تھا' اور آج بھی میں ان تینوں باتوں کی صداقت اور حقانیت پر پورا انشراحِ صدر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ خود میرے ذاتی مشاہدات اور غور و فکر کے نتائج ہیں اور ان کے ضمن میں میرا اور قاضی صاحب کا معاملہ ؏ "متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!" کا مصداقِ کامل ہے۔ وہ تین امور حسب ذیل ہیں:

(۱) اولین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کا عالمی صورت حال کا یہ مشاہدہ (GLOBAL PERPCEPTION) بالکل درست ہے کہ مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

"بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں' اک ساورکر اک گاندھی ہے
اِک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے' اِک مکر کی اٹھتی آندھی ہے!"

اِس وقت دنیا میں "نیو ورلڈ آرڈر" کے عنوان سے ایک نیا عالمی سامراج "چلتے ہوئے جھکڑ" اور "اٹھتی ہوئی آندھی" کے مانند چھاتا چلا جا رہا ہے ---- مزید بر آں پاکستان کی دونوں قابلِ ذکر سیاسی قوتوں سمیت' یہاں کے جملہ مقتدر حلقے اس کی بالادستی کو طوعاً یا کرہاً قبول کر چکے ہیں۔

(۲) پاکستان کی موجودہ دونوں بڑی سیاسی قوتیں' یعنی پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز شریف گروپ' صرف نئے عالمی سامراج کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے ہی کے

اعتبار سے بالکل مساوی نہیں' دیگر جملہ اعتبارات سے بھی ان کے مابین کوئی بنیادی فرق موجود نہیں ہے۔ چنانچہ خالص دینی اعتبار سے عرض ہے کہ اگرچہ ویسے تو جیسے مسلمان ہم سب اور نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کے اکثر کلمہ گو ہیں ویسے ہی مسلمان پیپلزپارٹی سے وابستہ لوگ بھی ہیں اور مسلم لیگ سے منسلک لوگ بھی' لیکن ان دونوں سیاسی قوتوں کے سماجی اور تمدنی نظریات' اور سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام کے بارے میں موقف کے مابین فرق و تفاوت کو "بلا تشبیہ" کفر اور نفاق کے فرق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جہاں پیپلزپارٹی کھلم کھلا اور اعلانیہ طور پر سیکولر جماعت ہے' چنانچہ اس کی قیادت اسلام کے عائلی نظام کو ظالمانہ' اس کی سماجی اقدار کو دقیانوسی اور "مولویانہ" اور شریعتِ اسلامی کی معیّن کردہ حدود و تعزیرات کو "وحشیانہ" قرار دیتی ہے اور جداگانہ انتخابات تک کی علی الاعلان مخالف ہے' وہاں مسلم لیگ بھی اگرچہ اپنے نام کی رعایت سے اسلام اور نظریۂ پاکستان سے ذہنی تعلق اور قلبی عقیدت کا اظہار تو ضرور کرتی ہے لیکن دین پر عمل در آمد' اور نظامِ شریعت کے عملی نفاذ کے ضمن میں اس کی روش بھی قطعاً مختلف نہیں! چنانچہ الحمد للہ کہ میں نے ۶۸۔۶۹ء میں بھی' جبکہ پاکستان میں "اسلام اور سوشلزم" کے مابین ایک "ہوائی جنگ" زور و شور کے ساتھ جاری تھی برملا لکھا تھا کہ "مجھے کوئی بتائے کہ دینی اعتبار سے میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مابین کون سا بنیادی فرق یا تفاوت ہے" اور آج بھی برملا کہتا ہوں کہ خالص دینی اعتبار سے محترمہ بے نظیر بھٹو اور سیدہ عابدہ حسین کے مابین کوئی فرق نہیں! اور اگر پیپلزپارٹی کی حکومت میں محترمہ بے نظیر پہلے بھی "وزیرۂ عظمیٰ" رہیں اور اب بھی ہیں تو آئی جے آئی کی حکومت میں بھی سیدہ عابدہ پہلے "وزیرہ" اور پھر "سفیرۂ عظمیٰ" کے مناصب پر فائز رہیں! رہا یہ سوال کہ کفر اور نفاق میں سے بدتر چیز کونسی ہے اور بدتر کونسی' تو اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے اور اس کے ضمن میں ذاتی رجحان اور افتادِ طبع کی بنا پر اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ سورۃ الحدید کی آیات ۱۴ اور ۱۵ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ

دنیا میں منافق مومنینِ صادقین کے ساتھ گذمڈ رہتے ہیں' لیکن آخرت میں ان کا انجام کفار کے ساتھ ہو گا! بلکہ سورۃ النساء کی آیت ۱۴۵ میں تو صاف فرمادیا گیا ہے کہ "اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" یعنی "منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے!" ---- (تاہم دین کے ساتھ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کی عملی روش کے ضمن میں میری یہ رائے ان کے اجتماعی موقف کے اعتبار سے ہے' ورنہ جہاں تک شخصی اور ذاتی سطح پر اسلام کے ساتھ "مذہبی لگاؤ" کا تعلق ہے تو دونوں ہی جماعتوں میں "پابندِ صوم و صلوٰۃ" لوگ اچھی بھلی تعداد میں موجود ہیں' چنانچہ ایک جانب نواز شریف صاحب ہیں جو خود بھی پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں' اور ان کے والد ماجد تو تہجد گزار بھی ہیں' تو دوسری جانب جناب فاروق لغاری اس اعتبار سے بھی ان کے بالکل "ہم پلّہ" ہیں کہ خود بھی اتنے ہی پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں' اور اس اعتبار سے بھی کہ ان کے چچا سردار عطا محمد خان لغاری مرحوم بحیثیتِ کمشنر نہ صرف یہ کہ اپنے جملہ دفتری اوقات میں بھی ہمہ وقت باوضو رہا کرتے تھے بلکہ اپنے دفتر کے عمارتی رخ سے قطع نظر اپنی کرسی ہمیشہ "قبلہ رُو" رکھتے تھے! ---- بلکہ اس اعتبار سے تو "لغاری فیملی" ---- "شریف فیملی" سے آگے ہے کہ جناب عطا محمد خان لغاری نے تو اپنی انگریز بیوی سے بھی پورا اسلامی پردہ کرایا اور جناب فاروق لغاری کی اہلیہ بھی تاحال "منظرِ عام" پر نہیں آئیں!)

(۳) تیسری بات جس کے ضمن میں مَیں نے قاضی صاحب کی بھرپور تائید کی تھی یہ ہے کہ اگر کسی کو واقعتاً نظامِ اسلام کے قیام کا کام کرنا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اَنمل بے جوڑ قسم کے متحدہ محاذوں میں شمولیت کے ذریعے اپنا وقت اور اپنی توانائیاں ضائع نہ کرے بلکہ ایک امیر کی امارت یا ایک قائد کی قیادت میں ایک محکم اور منظم جماعتی نظام کے قیام اور اس کی حتی الامکان توسیع کی کوشش کرے۔ اس لئے کہ "متحدہ محاذوں" کے ذریعے صرف "منفی" کام کئے جاسکتے ہیں' کوئی "مثبت" کام نہیں کیا جاسکتا! ---- یعنی ان کے ذریعے کسی کی ٹانگ تو گھسیٹی جاسکتی ہے اور کسی کو تختِ

حکومت سے نیچے بھی گرایا جاسکتا ہے' جیسے کہ "ڈیک" اور پی ڈی ایم وغیرہ نے صدر ایوب خاں مرحوم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا' یا ایم آر ڈی وغیرہ نے صدر ضیاء الحق کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا تھا' لیکن کوئی تعمیری کام نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ کسی تخریب کے لئے تو صرف مختلف النوع "نفرتیں" بھی جمع ہو کر مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں' لیکن کسی تعمیر کے لئے نظریات اور مقاصد کی ہم آہنگی لازمی ہوتی ہے' جس کے تقاضے بہ تمام و کمال تو صرف ایک "جماعت" ہی کے ذریعے پورے ہو سکتے ہیں' لیکن اس سے کم تر درجہ میں اگر کسی مرحلہ پر کوئی وسیع تر اتحاد ضروری ہو جائے تو اس کے مؤثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے اس کی "قیادت" کا بھی ایک قائد کی ذات میں مرکوز ہونا لازمی ہے۔ جیسے کہ انڈین نیشنل کانگریس جیسی دستوری و جمہوری جماعت میں بھی کسی عوامی تحریک کے مرحلے پر "ڈکٹیٹر" نامزد کر دیئے جاتے تھے!

قاضی صاحب کے موقف کا منطقی نتیجہ

تاہم قاضی صاحب کی ان تینوں باتوں کی بھرپور تائید کے ساتھ ساتھ میری جانب سے ہمیشہ ایک بہت بڑا "لیکن" لگا رہتا تھا یعنی یہ کہ ان تینوں باتوں کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جماعت انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر انقلابی جدوجہد کا راستہ اختیار کرے۔ اس لئے کہ:

۱۔ نیو ورلڈ آرڈر کے نئے عالمی سامراج کے دباؤ کا مقابلہ صرف ایک ایسی حکومت اور قیادت کر سکتی ہے جو کسی انقلابی عمل کے نتیجے میں برسراقتدار آئی ہو۔ اس لئے کہ انقلاب ہمیشہ ہزاروں جانوں کی قربانی کے ذریعے آتا ہے' اور صرف اس وقت آتا ہے جب ان پر مستزاد لاکھوں مزید لوگ جانیں قربان کرنے پر آمادہ ہو چکے ہوں۔ اور ان کے زیر اثر بحیثیتِ مجموعی پوری قوم نہ صرف یہ کہ بھوکی رہنے یا بقول بھٹو مرحوم "گھاس کھانے" پر آمادہ ہو چکی ہو بلکہ مرنے مارنے پر بھی پوری طرح تیار ہو چکی ہو۔ اور نئے عالمی استعمار ایسے "چلتے جھکڑ" اور "اٹھتی آندھی" تو کجا کوئی قوم

عام استعماری طاقت کا مقابلہ بھی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک عوام میں یہ انقلابی ہی نہیں "عقابی" روح بیدار نہ ہو چکی ہو۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ کہا' اور اب پھر دہرا رہا ہوں کہ انتخابی سیاست کے کسی اتار چڑھاؤ یا کسی وقتی لہر کے ذریعے اگر خود قاضی صاحب پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں تو وہ بھی اپنے آپ کو نئے عالمی سامراج کی بالادستی قبول کرنے پر اسی طرح مجبور پائیں گے جس طرح کوئی دوسری قیادت یا حکومت!

۲۔ ثانیاً اسلامی نظام کا بالفعل قیام صرف ایسے لوگوں کے ذریعے ممکن ہے جو اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں اسلام کو عملاً نافذ کر چکے ہوں ---- اور پھر اسلام کے نظامِ اجتماعی یعنی اللہ کے عطا کردہ "پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم" کو ایک کامل حیاتیاتی وحدت کی حیثیت سے پورے نظامِ زندگی پر بالفعل "غالب" کر دینے کے بلند و بالا مقصد کے لئے ایک جانب تن من دھن' حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے پر نہ صرف یہ کہ پوری طرح آمادہ ہوں بلکہ ۔

"شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت' نہ کشور کشائی!"

کے مصداق اسی کو اصل کامیابی اور مقصدِ حیات سمجھیں' اور دوسری جانب اپنی ذاتی رائے اور "انا" کا ایثار کرتے ہوئے ایک امیر کی قیادت کو قبول کر کے شریعت کے دائرے کے اندر اندر اس کی اطاعت کے لئے بہ دل و جان آمادہ ہوں۔ چنانچہ یہی فلسفہ تھا جو مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۴۰ء میں "ایک صالح جماعت کی ضرورت" کے عنوان سے پیش کیا تھا' جس کی بنیاد پر ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی تاسیس ہوئی تھی۔ پھر اسی کو انہوں نے "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے" کے عنوان سے تقریباً اسی زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشہور اسٹریچی ہال میں دیئے جانے والے خطبہ میں عقلی دلائل کے حوالے سے' اور پھر ۱۹۴۶ء میں "شہادتِ حق" نامی کتابچے میں اس حدیث نبویؐ کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ:

آمُرُکُم بِخَمسٍ؛ اَللّٰہُ اَمَرَنِی بِھِنَّ : بِالجَماعَۃِ وَالسَّمعِ
وَالطَّاعَۃِ وَالھِجرَۃِ وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہ
"(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' مجھے ان کا حکم اللہ نے دیا
ہے' یعنی: التزامِ جماعت' سمع وطاعت اور ہجرت وجہاد فی سبیل اللہ!"
(مسند احمد' وجامع الترمذی' عن الحارث الاشعری رضی اللہ عنہ)

قاضی صاحب اور جماعت اسلامی کا اصل مخمصہ

الغرض' قاضی حسین احمد صاحب کا اصل مخمصہ یہ ہے کہ نہ صرف ان کی ذاتی سوچ اور ان کا مزاج انقلابی ہیں بلکہ ان کے مقاصد اور ان کا تحریکی پس منظر بھی سب کے سب "انقلابی" ہیں' لیکن وہ عملاً راستہ انتخابی سیاست کا اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انقلابی جدوجہد اور انتخابی عمل کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں' بالکل متضاد ہیں۔ چنانچہ عملی اعتبار سے صورت یہ بن جاتی ہے کہ اگر وہ اپنی طبیعت پر جبر کرکے انتخابی سیاست کے کسی ایک تقاضے کو پورا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں' تو انقلابی مزاج کا کوئی دوسرا تقاضا ان کے پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے۔ جیسے حالیہ انتخابات کے موقع پر ہوا کہ انتخابی عمل کے ایک تقاضے کو تو انہوں نے خوب سمجھا' یعنی یہ کہ موجودہ حالات میں اس کے لئے جماعت اسلامی ایسی محدود اور "کٹر" قسم کی جماعت نہیں' آزاد قسم کے اطوار کی حامل عوامی تنظیم درکار ہے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پاسبان اور "پف" (PIF) کی قسم کی تنظیمیں قائم کیں' لیکن ایک تو ان پر' خواہ وقتی طور پر ہی سہی' بہرحال' جماعت اسلامی کے اولین دور کی "انقلابی اصول پسندی" کا غلبہ ہوگیا جس کے باعث انہوں نے انتخابی سیاست کے اس تقاضے کو بالکل نظرانداز کردیا کہ اس میدان میں تو ع "کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں" کے مصداق قدم قدم پر اور لحظہ بہ لحظہ " اَھوَنُ البَلِیَّتَین " یعنی "LESSER EVIL" کے نظریئے کے تحت جوڑ توڑ جاری رکھنا ضروری ہوتا

ہے اور اس ضمن میں انیس بیس ہی کا نہیں ساڑھے انیس اور پونے بیس کا فرق بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے' مزید بر آں انہوں نے اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر کر لیا کہ کچھ جذباتی اور جوشیلے نوجوانوں یا نیک جذبات کے حامل درمیانہ درجہ کے کاروباری لوگوں سے قطع نظر' جو لوگ سیاست کی موجودہ "منڈی" میں "سکہ رائج الوقت" کے اعتبار سے کسی واقعی اہمیت کے حامل ہیں وہ ان کی "قیادت" کو آخر کس دلیل سے قبول کر لیں گے؟۔ (چنانچہ حال ہی میں دبئی سے جناب محمود اعظم فاروقی کا یہ بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ بہت سے اہم لوگوں نے "پاکستان اسلامک فرنٹ" میں شمولیت کا وعدہ تو کیا تھا لیکن بعد میں وہ اس سے منحرف ہو گئے!)

تاہم یہ "مخمصہ" صرف قاضی حسین احمد صاحب کا نہیں ہے' بلکہ پوری جماعت اسلامی کا ہے۔ اس لئے کہ اس کا آغاز اس کے داعی اور مؤسس یعنی مولانا مودودی مرحوم ہی کی ایک غلطی کے ذریعے ہوا تھا' جو کسی بدنیتی نہیں بلکہ کچھ خوش فہمی اور کچھ پاکستانی معاشرے کی غلط "تشخیص" کی بنا پر ہوئی تھی اور اگرچہ ہماری اطلاع کے مطابق ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد مولانا مرحوم کو تو اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا' جس کا انہوں نے برملا اظہار بھی کر دیا تھا' تاہم چونکہ یہ معاملہ اُس وقت ہوا جب ایک جانب خود مولانا مرحوم عمر اور صحت کے اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں رہے تھے کہ جماعت کی بھاری بھرکم گاڑی کے سٹیئرنگ کو خود سنبھال کر اس کا رخ تبدیل کرنے کی کوشش کرتے اور دوسری جانب جماعت کی صفِ دوم کی قیادت کا ذہن اور مزاج بیس برس تک ایک خاص رخ پر کام کرتے رہنے کے باعث اس کے مخصوص سانچے میں ڈھل چکا تھا لہٰذا جماعت اسی رخ پر آگے بڑھتی چلی گئی۔ اور جیسے جیسے وقت گزرا جماعت کے متذکرہ بالا مخمصے کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تاہم اس کا سارا الزام قاضی صاحب کے ذمہ لگا دینا ہرگز درست نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی فعال اور متحرک شخصیت نے اس مخمصے کو اچانک بہت زیادہ نمایاں کر دیا

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ غالباً وسط جولائی ۹۳ء میں جب پاکستان کے ایک ایسے ہفت روزہ جریدے کے اہم نمائندے نے مجھ سے طویل اور مفصل انٹرویو لیا تھا جس کے مالک اور مدیر جماعت اسلامی کے متاثرین اور ہمدردان ہی نہیں' اس کے "سرپرستوں" کے حلقے میں شامل رہے ہیں لیکن اب جناب نواز شریف صاحب کے سیاسی اور صحافتی حلیف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انٹرویو لینے والے صاحب نے ہر زاویئے سے سوالات کر کے مجھ سے یہ کہلوانے کی کوشش کی کہ جماعت اسلامی کی موجودہ تمام "خرابیوں" اور "خستہ حالیوں" کی ذمہ داری قاضی حسین احمد پر ہے۔ لیکن میں نے ہر بار یہی کہا کہ میرے نزدیک اس پوری صورت حال کی اصل ذمہ داری جماعت کی پالیسی کی اس تبدیلی پر ہے جو ۵۰-۵۱ء میں اختیار کی گئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی راہ کا جب رخ بدلتا ہے تو شروع میں تو چونکہ فاصلہ لامحالہ بہت کم ہوتا ہے لہٰذا فرق کا احساس نہیں ہوتا' تاہم اس کے بعد جب نئے رخ پر پیش قدمی جاری رہتی ہے تو جیسے جیسے قدم آگے بڑھتے ہیں سابقہ رخ سے فاصلے میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا قاضی صاحب اِس وقت جس رخ پر جماعت یا تحریک کو لے جا رہے ہیں اس میں "کمیت" یعنی مقدار کے اعتبار سے تو یقیناً جماعت اسلامی کے اصل اور ابتدائی رخ اور مزاج سے بہت بُعد پیدا ہو گیا ہے' لیکن اصولی اور منطقی اعتبار سے یہ ہے اسی رخ پر جو اب سے چالیس سال قبل اختیار کیا گیا تھا---- بہرحال میرے اس موقف پر اصرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طویل انٹرویو کو طباعت و اشاعت کی "سعادت" آج تک حاصل نہیں ہو سکی!

جماعت اسلامی کی قیادت کے لئے دو راستے

قاضی حسین احمد صاحب کی حمایت یا مخالفت کی شدت کے حوالے سے جس اندرونی انتشار اور خلفشار سے اِس وقت جماعت اسلامی دوچار ہے وہ تنظیمی اعتبار سے تو یقیناً جماعت کا داخلی معاملہ ہے' اور اس پہلو سے ایک صاحب قلم (غالباً سید معروف

شاہ شیرازی؟) کا یہ قول بظاہر بہت قوی ہے کہ جماعت سے باہر کے لوگوں کو اس میں "دخل در معقولات" کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن جماعت چونکہ احیاءِ اسلام کی عالمی تحریک کا حصہ ہے لہٰذا دین اور ملت کے وسیع تر مفاد سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کا اس بارے میں کچھ عرض کرنا ہرگز بے محل نہیں ہے۔

حالیہ الیکشن کے حوصلہ شکن نتائج۔۔۔ایک لمحۂ فکریہ!

راقم الحروف کو الیکشن ۹۳ء سے قبل قاضی صاحب کی بعض آراء سے جو اتفاق تھا' اس کی تفصیل بھی اس سے قبل بیان کی جاچکی ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ راقم کے نزدیک ان کا منطقی تقاضا کیا تھا۔ تاہم یہ ایک اصولی بات تھی جو جولائی ۹۳ء سے قبل کے حالات پر مبنی تھی۔ میں اواخر جولائی میں بیرونِ ملک سفر پر روانہ ہو گیا تھا اور وہاں سے میری واپسی لگ بھگ ڈھائی ماہ بعد وسط اکتوبر میں ہوئی تھی جبکہ انتخابات کا ہنگامہ بھی گزر چکا تھا اور اس کے نتائج بھی سامنے آچکے تھے اور اس کے نتیجے میں جماعت کا وہ انتشار اور خلفشار بھی' جو اس سے قبل باہر کے لوگوں کے علم میں صرف بعض اکابر کی آراء اور ان کی بھی اخبارات میں اشاعت کے حوالے سے آیا تھا' نہ صرف یہ کہ طشت ازبام ہو گیا تھا بلکہ جماعت اسلامی کے عام ارکان اور کارکنان ہی نہیں' ہمدردوں' "سرپرستوں" اور بہی خواہوں کے حلقے میں بھی پوری شدت ہی نہیں تلخی کے ساتھ پھیل چکا تھا!

بہرحال بیرونی سفر سے واپسی پر مجھے انتخابی مہم کی جن تفصیلات کا علم حاصل ہوا' ان کی بنا پر میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے حیرت زیادہ ہوئی تھی یا صدمہ۔ حیرت اس بنا پر بھی کہ میں ہرگز یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ جماعت کی نئی قیادت پبلسٹی کے اس درجہ عامیانہ ہی نہیں "سوقیانہ" انداز بھی اختیار کر سکتی ہے' اور اس اعتبار سے بھی کہ ع "ہم نے کیا کیا نہ کیا دیدہ و دِل کی خاطر!" کی اس انتہاء کے بعد بھی جماعت کو نیشنل اسمبلی میں کُل تین سیٹیں حاصل ہو سکیں۔ اور صدمہ اس لئے کہ ایک دینی جماعت کے اخلاقی

اور مذہبی تشخص کو۔ "پہلے بھی ایسی کون سی تھی اپنی آبرو - پر شب کی منتوں نے تو کھودی رہی سہی" کے مصداق جو سخت دھچکا اس کے ذریعے لگا وہ صرف اس جماعت ہی کے لئے نقصان دہ نہیں' اس ملک میں اسلام کی حیثیت اور اس کے مستقبل کے اعتبار سے بحیثیتِ مجموعی شدید نقصان کا باعث بنا ہے۔ اور خواہ قاضی صاحب اور ان کے بعض رفقائے کار اور مشیرانِ خاص نے اس انتخابی مہم کے دوران ہونے والی بعض حرکتوں پر مبہم سے انداز میں اظہارِ افسوس و ندامت بھی کیا ہے' تاہم وہ اس کی ذمہ داری سے کسی طرح بری نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک واقعہ یہ ہے کہ محترم قاضی صاحب کی اس "استقامت" پر بھی حیرت ہوتی رہی کہ انتخابات سے قبل اتنے بلند بانگ دعووں اور بالکل۔

"کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے"

کا ساسماں باندھ دینے کے بعد "پف" جس بری طرح چاروں شانے "چت" ہوئی اس پر بھی قاضی صاحب نہ جماعت کی امارت سے مستعفی ہوئے نہ پف کی قیادت سے!

بہر حال یہ تو قاضی صاحب کا ذاتی معاملہ تھا' جماعتی اختلاف و افتراق کے ضمن میں اس کے بعد بھی امید تھی کہ قاضی صاحب وہ طرز عمل اختیار کریں گے جس سے جماعت پالیسی اور طریق کار کے معاملے میں یکسو ہو جائے اور جس راہ کو بھی اختیار کرے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کرے اور اس کے جملہ تقاضوں کے واضح فہم و شعور کے ساتھ ان کو پورا کرنے کے عزمِ مصمم کا فیصلہ انشراحِ صدر کے ساتھ کر لے تاکہ پھر قدم قدم پر اختلاف اور رکاوٹ کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اس لئے کہ الیکشن ۹۳ء کے موقع پر طریق کار اور پالیسی کے اختلاف کے بعض ایسے نکات بھی جو اس سے قبل صرف نظری حیثیت سے زیر بحث آتے تھے واضح عملی صورت میں سامنے آ چکے ہیں' اور موجودہ طریق کار کی بنیاد میں کار فرما اساسی حکمتِ عملی کے بعض پہلو بھی اپنی منطقی

انتہاء کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے نتائج کو بھی ارکان اور کارکنان نے۔

"یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!"

کے مصداق بچشم سر دیکھ لیا ہے۔ لہٰذا صحیح فیصلے تک پہنچنا بہت آسان ہو گیا ہے!

امارت سے استعفاء یا قرار دادِ اعتماد کا مطالبہ؟

لیکن قاضی صاحب نے جو انداز بالفعل اختیار کیا وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ جماعت کے ارکان کو بنیادی طریق کار اور اس کی اساسی حکمتِ عملی' اور اس کے ساتھ ساتھ بعض معین اقدامات پر بحث و گفتگو کا موقع دیا جاتا' اور پھر کثرتِ رائے سے فیصلے کر لئے جاتے اور کسی نئے امیر کے انتخاب یا قاضی صاحب ہی پر دوبارہ اظہارِ اعتماد کا مرحلہ اس کے بعد طے کیا جاتا' انہوں نے جماعت کی امارت سے اپنے جذباتی انداز کے استعفے کے ذریعے گویا "پیش دستی" یعنی PRE-EMPTION کے انداز میں براہ راست "اعتماد کا ووٹ" طلب فرمالیا۔

اعتماد کا یہ ووٹ تو ہمیں یقین ہے کہ قاضی صاحب کو جماعت کے بعض اکابر کے اس "نکتۂ اعتراض" کے علی الرغم مل ہی جائے گا جو جناب نعیم صدیقی کے ایک خط کی صورت میں منظرِ عام پر بھی آچکا ہے' لیکن کیا اس سے افتراق و انتشار کا خاتمہ ہو جائے گا؟ یا کیا اس سے پالیسی کا ابہام ختم ہو جائے گا اور جماعت اس مخمصے سے نکل کر' جس کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے' یکسو ہو کر آگے قدم بڑھا سکے گی؟ اور اقامتِ دین کے بلند و بالا مقصد کے لئے مؤثر اور نتیجہ خیز کام کر سکے گی؟ ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان تمام سوالات کا جواب کامل نفی میں ہے!

اس ضمن جماعت کے بعض اکابر نے قاضی صاحب سے اختلاف کا جو طریقہ اختیار کیا ہم اسے بھی درست نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اب کچھ عرض کرنے کی بجائے اس خط کا مختصر اقتباس کافی ہے جو راقم نے میاں طفیل محمد صاحب کی خدمت میں

۲/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو ارسال کیا تھا۔ (اور ایک سال بعد نومبر ۹۲ء کے "میثاق" میں شائع بھی کر دیا تھا)۔۔۔۔و ھو ھذا:

"اواخر اگست میں میں ملائیشیا کے سفر پر تھا۔ واپسی پر جماعت کے پچاس سالہ یوم تاسیس کے جشن کے موقع پر آپ کے تلخ لیکن مبنی بر حقیقت ارشادات کا چرچا سننے میں آیا۔

اتفاقاً اواخر ستمبر میں پھر بھارت کا سفر پیش آگیا۔ اور اس بار واپسی پر آپ کا وہ بیان پڑھنے میں آیا جو روزنامہ جنگ کی اشاعت بابت ۲۶/ ستمبر میں شائع ہوا ہے' جس میں آپ کے اسی موقف اور جذباتی کیفیت کا اعادہ ہے جس کا اظہار ایک ماہ قبل ہوا تھا۔

میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے اس طرز عمل سے کوئی خیر بر آمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو جماعت کے عام کارکنوں کے ذہنوں میں آپ کی شخصیت کا تصور ایک مایوس' بددل' جذباتی' شکست خوردہ اور از کار رفتہ بوڑھے کا سا بنتا چلا جائے گا!"

اصل قابل غور مسائل

راقم الحروف کو' اللہ گواہ ہے کہ' اس بات سے کوئی خوشی نہیں ہے بلکہ شدید صدمہ ہے کہ اس کی ڈھائی سال قبل کی یہ پیشینگوئی اِس وقت حرف بحرف پوری ہو رہی ہے اور جماعت کے نوجوان کارکنوں کی بڑی تعداد کی نگاہوں میں بعض بزرگوں کی حیثیت فی الواقع یہی بن چکی ہے' لیکن ہم فرمانِ نبوی "اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ" یعنی "دین تو نام ہی نصح و اخلاص' اور وفاداری اور خیر خواہی کا ہے" پر عمل کرتے ہوئے قاضی صاحب اور ان کے رفقاء کار سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اِس وقت اپنی ذاتی اور وقتی کامیابی یا ناکامی کی بجائے جماعت ہی نہیں عالمی تحریک اسلامی' اور اس کی بھی فوری نہیں دُور رس اور دیرپا مصلحتوں کو پیش نظر رکھیں۔ اور حالیہ افتراق و انتشار کے

"شر" سے آئندہ کے لئے مستقل "خیر" بر آمد کرنے کی کوشش کریں، جس کا واحد راستہ یہ ہے کہ جماعت کے اصحابِ شوریٰ ہی نہیں عام ارکان بھی ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے ہوئے حسب ذیل امور پر غور اور پُر سکون انداز میں بحث و گفتگو کریں:

(۱) اس سے قطع نظر کہ جماعت اسلامی آج سے ساڑھے باون برس قبل قائم کیوں اور کس مقصد کے لئے کی گئی تھی (اس لئے کہ یہ بحث اب بہت پرانی اور خالص نظری نوعیت کی حامل ہو چکی ہے!) اِس وقت بالفعل جماعت کے پیش نظر کوئی سطحی تبدیلی ہے یا وہ ملک میں رائج و قائم سیاسی و معاشرتی اور بالخصوص معاشی نظام میں کوئی اساسی اور بنیادی تبدیلی چاہتی ہے؟

(۲) کیا کسی نظامِ اجتماعی اور خاص طور پر اس کے معاشی ڈھانچے میں کوئی بنیادی اور اساسی تبدیلی انتخابات کے ذریعے برپا کی جا سکتی ہے؟ مثلاً کیا پاکستان میں جاگیرداری اور سودی معیشت کا خاتمہ انتخابات کے ذریعے ممکن ہے؟ اور آیا "انقلاب بذریعہ انتخابات" کا نظریہ خالص مغالطہ اور فریبِ نظر ہے یا اس میں کوئی عنصر حقیقت اور واقعیت کا بھی موجود ہے؟

(۳) پھر بالفرض اگر کسی کے نزدیک اس میں خالص نظری اعتبار سے بھی کوئی وزن ہو تو کیا جماعت اسلامی اپنے مخصوص دینی و مذہبی تصورات و معیارات اور ناقابلِ تغیر تاریخی پس منظر کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کے "سوادِ اعظم" سے اتنے ووٹ حاصل کر سکتی ہے کہ فیصلہ کن قوت و اقتدار کی مالک بن سکے! (واضح رہے کہ جماعت کی کوئی بھی ذیلی اور "نقابی" تنظیم خواہ وہ کتنا ہی نیا نام اور جدید رنگ و روپ اختیار کر لے عوام کی نگاہوں میں ؎

"بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم"

کے مصداق جماعت کے مذہبی اور تاریخی پس منظر سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی،

بالخصوص جبکہ اس کی قیادت کی چلمن سے جماعت اسلامی کے چہرے ہی جھلک رہے ہوں!)

ہماری رائے میں جہاں تک ان تین بنیادی سوالات کا تعلق ہے 'ان میں سے پہلے کے جواب میں تو شاید کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو یہ کہے کہ جماعت معاشرتی اعتبار سے کسی سطحی سی اصلاح کی علمبردار یا سیاسی سطح پر صرف حکومت کرنے والے ہاتھوں اور چہروں کی تبدیلی کی خواہاں ہے۔ البتہ بقیہ دونوں سوالوں کے ضمن میں شاید کچھ لوگ "منطق کی دلیلوں" کے سہارے اثبات میں جواب دینے کی کوشش کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے "اخلاص و مروّت" سے مطابقت رکھنے والا واحد راستہ یہ ہے کہ انتخابی عمل میں براہ راست جماعت اسلامی ہی کے نام سے حصہ لینے کو جاری رکھیں اور اگر اس کے تنظیمی ڈھانچے کے بعض پہلوؤں کو اس راہ میں رکاوٹ محسوس کریں تو اس رکاوٹ کو بھی جس حد تک جماعت کے ارکان کی اکثریت قبول کرلے دور کرنے کی کوشش کریں۔ (جیسے 'مثال کے طور پر' سنا ہے کہ بعض حضرات نے تجویز کیا ہے کہ جماعت کی رکنیت پر جو دینی پابندیاں اور اخلاقی بندشیں عائد ہیں انہیں صرف عہدیداروں کی حد تک محدود کردیا جائے 'اور عام رکنیت کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھول دیا جائے 'خواہ وہ بالفعل صالح اور متقی ہو 'خواہ عاصی و بے عمل!)---- بصورتِ دیگر یعنی اگر جماعت کے ارکان کی اکثریت اس راہ کو قبول نہ کرے تو سیدھی راہ یہ ہے کہ وہ جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے نئے نام اور نئے معیارات کے ساتھ ایک نئی سیاسی جماعت قائم کریں 'اس لئے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس مغالطے میں تو بحمد اللہ جماعت کا کوئی بھی شخص مبتلا نہیں ہے کہ اسلام صرف جماعت اسلامی کے دائرے کے اندر منحصر ہے اور اس سے علیحدگی کفر یا ارتداد ہے! بہرحال اس صورت میں وہ جماعت کے بعض قدیم اور "دقیانوسی" نظریات سے علی الاعلان اظہارِ براءت کر کے اور اس طرح عوام کے سوادِ اعظم کے قلوب و اذہان سے قریب تر ہو کر اپنے مقاصد کے حصول کو بھی بہت آسان بنا سکتے ہیں اور خواہ اس ملک کے پولیٹیکو سوشیو

اکنامک سسٹم میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ لا سکیں' اسے ایک نسبتاً بہتر حکومت و قیادت کا تحفہ دینے کی مؤثر کوشش تو کر ہی سکتے ہیں!

اس صورت میں یہ ضرور ہے کہ نئی جماعت یا تنظیم کو جماعت کی بین الاقوامی ساکھ کی بنا پر حاصل ہونے والے مفادات (خواہ مادی ہوں' خواہ صرف اخلاقی) سے کم از کم وقتی طور پر محروم ہونا پڑے گا۔ لیکن یہ بات ان شاء اللہ ان حضرات کی سمجھ میں بادنیٰ تامل آجائے گی کہ یہ بین الاقوامی تعارف اور "گڈوِل" مقامی اور ملکی سطح پر کبھی فیصلہ کن نہیں ہو سکتا۔ اور اگرچہ ہر بندۂ مومن اور ہر احیائی تحریک کے پیش نظر تو یہی ہونا چاہئے کہ اسلام کا بول عالمی سطح پر بالا ہو' اور اللہ کا کلمہ کُل روئے ارضی پر سب کلموں سے بلند اور اس کا دین سب ادیان پر غالب ہو جائے' (اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسا بالفعل ہو کر بھی رہے گا) لیکن اس کا عملی آغاز بہر صورت کسی ایک خطۂ ارضی ہی سے ہو گا' اور ظاہر ہے کہ ہم اس کے لئے عملی جدوجہد اور مؤثر سعی سلطنتِ خداداد پاکستان ہی میں کر سکتے ہیں (جو معرضِ وجود میں آئی ہی اسی لئے ہے!) لہٰذا ہمیں اپنی حکمتِ عملی معین کرنے میں بنیادی توجہ بین الاقوامی مصلحتوں سے بڑھ کر مقامی انقلاب کے تقاضوں پر مرکوز کرنی ہو گی۔

"آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر"

جماعت اسلامی کے موجودہ اختلاف اور خلفشار کے حل کے لئے اگر یہ "راہ راست" اختیار نہ کی گئی اور وہی طرز عمل جاری رکھا گیا جو قاضی صاحب کے استعفے کے انداز سے ظاہر ہے تو فوری طور پر تو وہ بلاشبہ "فلائنگ کلرز" کے ساتھ کامیاب ہو جائیں گے' لیکن جماعت کا بحران ختم نہیں ہو گا بلکہ (i) کچھ بوڑھے اور بزرگ تو یا تو پت جھڑ کے پتوں کی طرح جھڑ جائیں گے۔ یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جائیں گے یا نکال دیئے جائیں گے۔ یا شاخ پر لگے ہوئے بھی سوکھ جائیں گے۔ یعنی جماعت میں رہتے ہوئے بھی ع "میں ہوں اپنی شکست کی آواز!" اور ع "اگلے وقتوں کے ہیں یہ

لوگ انہیں کچھ نہ کہوا" کے مصداق بن کر رہ جائیں گے! (ii) اسی طرح جماعت کے پرانے ارکان کی اکثریت بھی خواہ جماعت سے ظاہری طور پر وابستہ رہے، عملی اعتبار سے بددل اور معطل ہو کر رہ جائے گی۔۔۔۔ اس طرح گویا اقامتِ دین کی تحریک کی وہ تنظیمی شکل تو عملی اعتبار سے بالکل دم توڑ جائے گی۔۔۔۔ جو برِّعظیم پاک و ہند میں ۱۹۴۱ء سے شروع ہوئی تھی۔ (iii) رہی قاضی صاحب اور ان کی امارت اور قیادت تو وہ بھی خواہ خالص جماعتی سطح پر مزید "دو چار دن بہارِ جانفزا دکھلا" جائے، قومی اور ملکی سطح پر فی الواقع "اُترا شحنہ مردک نام!" کی مصداقِ کامل بن چکی ہے۔ اس لئے کہ سیاست کے میدان میں "طوفانی انداز" سے حملہ آور ہونے کی کوشش کرنے والوں کے دو ہی انجام ہوتے ہیں: یا تو وہ پہلی ہی بار یعنی اول دہلے ہی میں "وہ آیا، اس نے دیکھا، اور اس نے فتح کر لیا!" کے مصداق بن جاتے ہیں، یا پھر لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کا موضوع اور ؎ "دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!" کی تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔

بہرحال ہم نے اپنی حد تک سورۂ ہود کی آیت ۸۸ء میں وارد شدہ الفاظ: "اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ" یعنی "میں امکانی حد تک اصلاح حال کے سوا اور کسی چیز کا خواہاں نہیں ہوں اور اس کی توفیق کا بھی صرف اللہ ہی سے خواستگار ہوں" کے مطابق حقِ نصیحت ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے آگے
ع "فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم!"

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اقامتِ دین کی جدّوجہد فرضِ عین یا فرضِ کفایہ؟

دورۂ ترجمہ قرآن کے شرکاء کے سوالات اور
امیر تنظیم اسلامی کے جوابات

—— مرتّب: خالد محمود خضر ——

سوال: اقامتِ دین اب امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے جس کے لئے آپ اپنی توانائیاں خرچ کر رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود دینی حلقوں میں اس کو پذیرائی نہیں ملی؟ خاص طور پر تبلیغی جماعت ساٹھ ستر سال گزرنے کے باوجود کلمہ کی دعوت سے آگے نہیں بڑھ سکی اور جماعت اسلامی مسلسل ناکامی کے باوجود انتخابی سیاست سے باہر نہیں آسکی۔ سوال یہ ہے کہ اس کے لئے آپ نے کیا سعی کی ہے اور آپ کو اس کا کیا جواب (respose) ملا؟ آپ کے نزدیک اقامتِ دین فرضِ عین ہے جبکہ دوسرے علماء اسے فرضِ کفایہ کہتے ہیں۔ وضاحت فرمائیں!

جواب: اقامتِ دین کے بارے میں دو باتیں سمجھ لیجئے---- ایک ہے دین کو بالفعل قائم کردینا' یہ اور شے ہے۔ اور ایک ہے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا' یہ فرضِ عین ہے۔ دین کو قائم کردینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و تیسیر ہو' اللہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف رجوع ڈالے' response ملے' مناسب تعداد میں لوگ آئیں' اور اسباب و وسائل جمع ہوں تبھی ممکن ہے۔ لیکن اس کی جدوجہد کرنا فرضِ عین ہے۔ اور یہ دراصل ہماری اجتماعی نہیں' انفرادی ذمہ داری ہے۔ تاہم یہ اجتماعی اس طرح بن جاتی ہے کہ بہرحال ہر کام انفرادی سے اجتماعی ہوتا ہے۔ ایک آدمی کھڑے ہو کر دعوت دیتا ہے کہ میرے ساتھ آؤ اور دوسرا آدمی اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے تو جماعت بن جاتی ہے۔ ایک امام کے ساتھ ایک یا دو مقتدی ہوں تو جماعت

ہو جاتی ہے اور اجتماعی ذمہ داری بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا ایمان کا عین تقاضا ہے اور فرض عین ہے۔ البتہ دین کو بالفعل قائم کر دینا درحقیقت ایک دوسرا مرحلہ ہے' جس کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے ایک بہت وسیع سپیکٹرم (spectrum) ہے۔ آپ نے قرآن حکیم میں رسولوں کے حالات و واقعات متعدد بار سنے ہیں۔ ان میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور آخری حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتے رہے لیکن قوم کی طرف سے کوئی response نہیں ملا۔ کیا اس میں ان کا قصور تھا؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ہم اگر کوشش کریں تو اس میں ہمارا قصور بھی ہو سکتا ہے' لیکن رسول تو اپنی کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ تو سارے کا سارا قصور ان کی قوم ہی کا تھا' چنانچہ وہ ہلاک کر دی گئی۔ لیکن جب تک response نہ ملے اقامتِ دین کی گاڑی تو آگے نہیں چل سکتی۔

حضرت نوحؑ کے بعد جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں بھی ہمیں نظر نہیں آتا کہ وہ مرحلہ آیا ہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے' جن کے پاس ایک مسلمان امت بنی اسرائیل پہلے سے موجود تھی (اس اعتبار سے ہمارے حالات حضرت موسیٰؑ کے حالات سے بہت مشابہ ہیں۔ آج ہم بھی کافروں میں نہیں بلکہ مسلمانوں میں کام کر رہے ہیں) بنی اسرائیل مشرک یا کافر نہیں تھے' لیکن ان کا حال بھی یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے نو عظیم معجزات دیکھنے کے باوجود' اور مصر سے نکلتے وقت چھ لاکھ کی تعداد میں ہونے کے باوجود' جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کو کورا جواب دے دیا کہ "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ" یعنی "(اے موسیٰ) پس تم اور تمہارا رب جا کر جنگ کرو' ہم تو بس یہاں بیٹھے ہیں"۔ تو حضرت موسیٰؑ تنہا کیا کرتے؟ انہوں نے فریاد کی: "رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ" یعنی "اے میرے رب' مجھے تو اختیار ہے تو بس اپنا اور اپنے بھائی کا' پس ہمارے اور اس نافرمان قوم کے مابین علیحدگی فرما دے!" (سورۃ

المائدہ' آیات ۲۴'۲۵) تو ظاہر ہے کہ بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ اس کے بعد حضرت مسیحؑ آئے۔ ان کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے کہ وہ بھی ایک مسلمان قوم میں آئے۔ (یہود پہلے سے مسلمان تھے' صاحب کتاب تھے' نبیوں کو ماننے والے تھے۔) لیکن صرف گنتی کے چند حواریوں نے آپؑ کی دعوت پر لبیک کہا۔ ان کا معاملہ بہت مختصر یعنی صرف تین برس پر محیط رہا اور انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔

اس spectrum کے دوسرے سرے پر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ نے response دیا۔ آپ ﷺ کو وہ ساتھی ملے جن کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" (الفتح: ۲۹) لہٰذا آپ ﷺ اور آپؐ کے جاں نثار ساتھیوں کی جدوجہد سے اقامت دین اس معنی میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی ایک بات جان لیجئے کہ آپ ﷺ کی جدوجہد کے بیس برسوں میں سے پہلے دس برس میں بمشکل سوا سو یا ڈیڑھ سو افراد آپ ﷺ کے اعوان وانصار بنے' جبکہ اگلے دس برس میں پورا جزیرہ نمائے عرب آپؐ کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ تو یہ حساب کتاب کی بات نہیں۔ وہی محمد رسول اللہ ﷺ کہ جن سے بڑا داعی' مبلغ' مربّی اور مزکّی کوئی نہیں' دس برس تک مکہ میں دعوت دیتے رہے لیکن اس کے نتیجے میں سوسوا سو' زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو آدمی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ اور اگلے دس برس میں آپؐ کے دست مبارک سے انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ اس لئے ان تمام چیزوں سے قطع نظر کر کے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارا فرض کیا ہے؟ اس کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے؟ اور اس پر ہمیں پوری دلجمعی سے لگے رہنا چاہئے اور نتیجے کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔

باقی رہا مختلف جماعتوں کا طرز عمل تو ان کا نام لے لے کر تذکرہ کرنا اور ان پر تنقید کرنا تو مناسب نہیں ہے' لیکن اس ضمن میں اصولی بات میں عرض کئے دیتا ہوں کہ کیا بنی اسرائیل مسلمان امت نہیں تھے؟ وہ حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ قتال کے لئے کیوں تیار نہیں ہوئے؟ اب اس کی جوابدہی میرے ذمہ تو نہیں! اس کی جوابدہی کے ذمہ دار تو وہی ہیں کہ

وہ کیوں تیار نہیں ہوئے۔ پھر یہی مسلمان امت بنی اسرائیل حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھانے کے درپے کیوں ہو گئی؟ اور اپنی دانست میں، اپنے بس پڑتے تو انہوں نے آنجنابؑ کو سولی پر چڑھا دیا۔ وہ تو اللہ نے جو تدبیر کی اور جس طرح آپؑ کو بچایا یہ دوسری بات ہے..... تو مسلمانوں کی مختلف جماعتیں کیا کر رہی ہیں اور کیوں کر رہی ہیں۔ یہ تو آپ انہی سے پوچھئے۔ ہمارے نزدیک تو ان میں سے کوئی بھی منہجِ انقلاب نبوی ﷺ پر کام نہیں کر رہی۔ ایک جماعت صرف تبلیغ کر رہی ہے۔ ان کے سامنے اسلام کا صرف مذہبی تصور ہے، اور ان کے پیش نظر انقلاب کا نقشہ تو کیا ہوگا، ان کے ہاں تو انقلاب کا لفظ ہے نہ اقامتِ دین کا نام۔ ان کی دعوت تو یہی ہے کہ اپنی نماز اور روزہ درست کرلو، کلمہ درست کرلو اور اپنے لباس، وضع قطع اور روز مرہ کے معمولات میں سنتوں کا اہتمام کرلو۔ یہ چیزیں وہ کر رہے ہیں اور ان میں اللہ کے فضل سے انہیں کامیابی بھی ہو رہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنا جو ہدف بنایا ہے اسی میں انہیں کامیابی ہوگی اور جو ان کا ہدف ہے ہی نہیں اس میں انہیں کامیابی کیسے ہو جائے گی؟

البتہ جماعت اسلامی اس نہج پر کام کرنے کے لئے اٹھی تھی اور وہ آٹھ برس تک ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد انہیں ایک سراب سا نظر آیا کہ اگر ہم جلدی سے الیکشن میں حصہ لے کر حکومت میں آجائیں تو پھر یہاں کے سارے معاملات کو درست کرلیں گے۔ اور وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ واقعتاً سراب ثابت ہوا اور جلدی سے حکومت حاصل کرنے کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا جبکہ انہیں اس صحرائے تیہہ میں بھٹکتے ہوئے چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا ہے اور یہ اب بھی اس سے نکلنے کو تیار نہیں۔ حالانکہ انتخابات کے راستے سے کبھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بہرحال ہمیں اس ضمن میں اپنے آپ کو بری نہیں کرلینا چاہئے بلکہ ان کے سامنے اپنی صحیح بات رکھتے رہنا چاہئے۔ باقی ہم اللہ کے ہاں مکلّف صرف اس بات کے ہیں کہ ہم نے منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ سے جو طریق کار سمجھا ہے اس پر عمل پیرا رہیں۔ البتہ غور کرتے رہیں کہ اس میں ہمارے فہم کی کوئی کجی یا غلطی ہو تو اس کو درست کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

سوال: امّتِ مسلمہ کے حکمران اپنوں کے روپ میں غیروں کو مسلط کر رہے ہیں اور جہاد تو مسلمانوں میں زبردستی نافذ ہو رہا ہے' جیسے بوسنیا اور کشمیر میں۔ تو کیا ان حالات میں "منہجِ نبوی ﷺ " کے بجائے افغانستان والا فارمولا ٹھیک نہیں؟ قومی اتحاد اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی تحریکوں کا کریڈٹ بھٹو اور ضیاء الحق لے گئے۔ کیا اسلامی تحریکوں کے لئے جہاد کی تربیت ضروری نہیں؟ جبکہ حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں؟

جواب: اب بھی اگر کوئی افغانستان والے فارمولے کو ٹھیک کہہ رہا ہے تو اسے عقل کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ اب تو اس کا کوئی حامی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ افغانستان والا فارمولا ٹھیک ہے۔ باقی رہا قومی اتحاد اور نظامِ مصطفیٰ کی تحریک کا معاملہ تو میں کئی بار واضح کر چکا ہوں کہ یہ تحریکیں اسلام کے لئے چلی ہی نہیں تھیں۔ اس ملک میں خالص اسلام کے لئے تحریک کا ایک موقع آیا تھا' یعنی متحدہ شریعت محاذ کے زیر اہتمام شریعت بل کی منظوری کے لئے تحریک کا ----- لیکن اس محاذ سے خود وہ جماعتیں ہی بھاگ کھڑی ہوئیں۔ باقی تو ساری خالص سیاسی تحریکیں تھیں جن پر اسلام کا نعرہ لگایا گیا۔ یا پھر کوئی خالص اسلامی تحریک یہاں پر اُس وقت اٹھ سکتی تھی جب یہاں عائلی قوانین نافذ کئے جا رہے تھے۔ اگر اس معاملے کو لے کر علماء اور مذہبی جماعتیں اٹھتیں تو ایک خالص اسلامی تحریک برپا کی جا سکتی تھی۔ اس معاملے میں ہندوستان کے مسلمان ہم سے بڑی سبقت لے گئے کہ انہوں نے اپنے عائلی قوانین میں کوئی مداخلت برداشت نہیں کی۔ وہ اس سلسلے کی ہر کوشش کی راہ میں مزاحم ہوئے اور اپنی جانیں قربان کیں اور اس طرح انہوں نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کر لی کہ ایک ایسے ملک میں جہاں وہ بے چارے بڑے کمزور ہیں' دبے ہوئے' پسے ہوئے اور مقہور ہیں' اپنی یہ بات منوالی کہ ہندوستان کی کوئی عدالت مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل نہیں دے سکتی۔ لیکن ہمارے ہاں اس کے برعکس صورتحال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری مذہبی جماعتوں نے سیاست کے کھیل کو اپنایا ہے کہ کبھی ایک کو کندھا دے کر اوپر چڑھادیا کبھی دوسرے کو۔ کبھی کسی کو اوپر چڑھادیا تو کبھی نیچے گرادیا۔ اور اس چڑھانے

نہیں۔ پھر اس کام کی یہ شرط بھی پوری نہیں ہوئی کہ جو لوگ اس کام کے لئے آگے آئیں وہ پہلے اپنے وجود پر' اپنے گھر میں اور اپنے دائرۂ اختیار میں دین کو نافذ کریں۔ ورنہ وہ منافق قرار پائیں گے اور نفاق کے نتیجے میں کبھی خیر اور اسلام وجود میں نہیں آسکتا۔ ان دو شرطوں کے بغیر کوئی راستہ قابلِ عمل نہیں ہے۔

سوال: آپ ہی سے سنا تھا کہ آج امّتِ مسلمہ کو یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلموں کی طرف سے جو مار پڑ رہی ہے اس کی بنیادی وجہ امتِ مسلمہ کی اپنے نصب العین یعنی دعوت و تبلیغ وغیرہ سے غفلت ہے۔ اور حقیقت میں یہ غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں پر اللہ کا عذاب ہے۔ پاکستان اور عرب ممالک میں حرکۃ الانصار اور الاخوان المسلمون جیسی جو تنظیمیں وجود میں آئی ہیں جن کا مقصد مسلح جدوجہد کے ذریعے کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنا ہے' تو کیا یہ مسلح جدوجہد کر کے مسلمانوں کو اللہ کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں؟

جواب: الاخوان کے بارے میں تو آپ کی اطلاع درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے تو مسلح جدوجہد کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اخوان مصر اور اردن میں سرگرمِ عمل ہیں اور دونوں جگہ وہ اسی رخ پر چل رہے ہیں جس پر یہاں جماعت اسلامی چل رہی ہے' یعنی انتخابات میں حصہ لے کر تبدیلی کی کوشش کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ اب وہ زیادہ زور سماجی کاموں پر دے رہے ہیں جیسے یہاں جماعت اسلامی کرتی رہی ہے' مثلاً ہسپتالوں اور سکولوں وغیرہ کا قیام اور خدمتِ خلق کے دوسرے کام' اگرچہ اب جماعت کا زور ادھر سے کم ہو کر پاسبان اور دوسرے اقدامات کی طرف زیادہ ہو گیا ہے۔ تو اخوان کا راستہ تو یہ نہیں ہے جو آپ نے بیان کیا۔ باقی حرکۃ الانصار سے میں واقف نہیں ہوں۔ اس سلسلہ میں اصل اصولی بات یہ ہے کہ جب تک ہم کسی ایک خطۂ ارضی میں اللہ کے دین کو قائم نہیں کرتے ہم قرآن حکیم کے الفاظ "لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ" کا مصداق بنے رہیں گے۔ یعنی تمہاری کوئی حقیقت نہیں' تمہارا کوئی مقام نہیں' تمہارا کوئی موقف نہیں' ہم سے بات کرنے کا تمہارا منہ ہی نہیں۔ یہ بات پہلے سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس کے لئے پھر سوچنا ہوگا کہ اس کا طریق کار کیا

ہے' یہ کیسے کیا جائے' اس پر باہم گفتگو کی جائے۔ افہام و تفہیم ہو' عصبیتوں اور گروہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اس پر غور کیا جائے۔ لیکن اس کے لئے کوئی تیار نہیں۔

باقی جہاں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو وہاں پر ان کی مدد کرنا اپنی جگہ ایک اچھا کام ہے۔ یہ مدد آپ چاہے انہیں ادویات کی صورت میں پہنچائیں یا اشیائے خورد و نوش کی صورت میں۔ دیکھئے' علاج کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک Palliative Treatment ہوتا ہے اور ایک Curative Treatment --- کسی کو سخت قسم کا سر درد ہو رہا ہو تو اسے وقتی طور پر اسپرین تو دینی چاہئے تاکہ درد میں تو کمی ہو' لیکن اسپرین اس کا علاج نہیں ہے۔ مرض کی صحیح تشخیص ہونی چاہئے کہ اتنے شدید سر درد کا کیا سبب ہے؟ کہیں دماغ میں کینسر تو نہیں ہے؟ البتہ فوری طور پر اسے آپ اسپرین تو دیں تاکہ اس کا درد تو کچھ کم ہو۔ تو دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں پر اس طرح کے ظلم و ستم ٹوٹ رہے ہیں اور انہیں ستایا جا رہا ہے ان کی جو بھی مدد کی جا سکتی ہو کی جائے۔ لیکن یہ اس مرض کا حل نہیں ہے اور اس سے اصل مسئلہ طے نہیں ہو گا۔ مسئلہ کا اصل حل یہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں کہ پہلے ہم دنیا کے کسی ایک خطے میں اللہ کا دین قائم کر کے دکھائیں اور اس کے لئے ظاہر ہے کہ ہم اپنے ملک ہی میں کوشش کر سکتے ہیں۔ ہم بوسنیا میں جا کر تو اسلام قائم نہیں کر سکتے۔ وہاں تو یہی ہو سکتا ہے کہ ادویات اور دوسرا امدادی سامان لے جایئے۔ اور اگر کسی وقت موقع ہو تو انہیں ہتھیار پہنچا دیجئے جس کی انہیں شدید ضرورت ہے۔ یا یہ کہ اگر اللہ کسی کو ہمت دے اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے وہاں جانا چاہتا ہے تو جائے اور وہاں جا کر جنگ کرے اور اگر اس میں اس کی جان چلی جاتی ہے تو اسے شہادت کا رتبہ حاصل ہو جائے گا۔ ان میں سے کسی چیز کی نفی نہیں' لیکن اس سے اصل مسئلہ حل نہیں ہو گا' کیونکہ آپ وہاں جا کر اسلام نافذ نہیں کر سکتے۔

اس کی ایک مثال میں نے قبل ازیں کہیں تحریر بھی کی ہے۔ ۵۵-۱۹۵۴ء میں جب "الجزائر کا جہاد" شروع ہوا تو ہمارے ایک دوست سعید الظفر' جو آج کل ٹورنٹو میں ہیں' اس وقت الہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ یہ جوشِ جہاد میں سرشار ہو کر اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر الہ آباد سے چلے اور الجزائر پہنچ گئے۔ وہاں جا کر جنگ میں حصہ

لیا گولی کھائی اور زخمی ہوئے۔ پھر طویل عرصہ ہسپتال میں رہے۔ اس دوران انہیں ٹی بی بھی ہو گئی اور بڑے خراب حالات سے دوچار رہے۔ بہرحال ان کے بعد لندن میں settle ہوئے اور پھر امریکہ چلے گئے۔ اس کے بعد وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہ خبر پڑھ کر میرا خون کھولنے لگتا ہے کہ شمالی افریقہ میں شراب کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ملک الجزائر ہے۔ جس ملک کی آزادی کے لئے میں ہندوستان سے جا کر جنگ میں شریک ہوا اور اپنا خون بہایا' جس کے لئے میں نے اپنی تعلیم کا نقصان کیا اور اپنا کیریئر برباد کیا' اس جہاد کے نتیجے میں وہاں ایسی حکومت قائم ہوئی جو اس وقت شمالی افریقہ میں شراب کی سب سے بڑی ایکسپورٹر ہے۔

چنانچہ میری تشخیص تو یہ ہے کہ جب تک ہم اس پوری ترکیب کو نہیں بدلیں گے اُس وقت تک عالم اسلام کے حالات بہتر نہیں ہوں گے۔ لہٰذا ہم اسی پر زور دے رہے ہیں کہ پہلے اس ملک کے اندر' جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا' اسلام کے حقیقی نفاذ کی جدوجہد کی جائے۔ ہمیں بوسنیا سے زیادہ اس ملک کی فکر کرنی چاہئے اور اپنی خیر منانی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر عذابِ الٰہی کا دوسرا کوڑا ہمارے سروں پر تن چکا ہو اور برسنے ہی والا ہو۔ اس لئے کہ قیامِ پاکستان کے بعد پہلے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پچیس برس کی مہلت دی تھی' لیکن جب ہم نے اس کے قیام کے مقصد کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں کی اور اللہ سے کئے ہوئے سارے وعدے بھلا دیئے' "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!" کا نعرہ فراموش کر دیا تو ہماری پیٹھ پر سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں عذابِ الٰہی کا کوڑا برسا۔ اور اب پچیس برس دوبارہ پورے ہونے کو ہیں۔ اس رمضان المبارک کی ستائیسویں کو پاکستان قائم ہوئے ۴۸ برس پورے ہو چکے ہیں اور مزید دو سال بعد دوسرے پچیس برس بھی پورے ہو جائیں گے۔ تو ہمارے لئے اس پر غور و فکر کی زیادہ ضرورت ہے۔

سوال: سورۃ النساء کی آیت ۷۵ میں اللہ کی راہ میں کمزور مردوں' عورتوں اور بچوں کے لئے قتال کا ذکر ہے۔ جس وقت اور ماحول میں یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت تک ابھی اسلامی ریاست یا خلافت قائم نہیں ہوئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اِس

وقت جبکہ خلافت قائم نہیں ہے' اس آیت پر عمل کی صورت کیا ہوگی؟ جبکہ بوسنیا اور کشمیر کے مسلمانوں کے حالات پر یہ آیت سو فیصد صادق آرہی ہے۔

جواب: اصل میں آپ نے اپنے سوال میں دو انتہائی باتوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ حکم اس وقت کا ہے جب ایک دعوت یا تحریک "اِقدام" (Active Resistance) کے دور میں داخل ہو چکی ہو' خواہ اسلامی ریاست قائم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ آپ خود سوچئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سے کیوں نہیں بچایا؟ مکہ میں حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسر (رضی اللہ عنہما) کو شہید کر دیا گیا لیکن حضور ﷺ نے کوئی اقدام نہیں کیا' بلکہ آخری دم تک ان ہی کو صبر کی تلقین فرماتے رہے کہ "اِصْبِرُوا یَا آلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الجَنّۃ" (اے یاسرؓ کے گھر والو صبر کرو' تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔) حالانکہ میرے اندازے کے مطابق اس وقت مکہ میں کم از کم چالیس مسلمان موجود تھے' جو "السَّابِقُونَ الاَوَّلُون" تھے۔ یہ بزدل تو نہیں تھے' انہیں جان تو پیاری نہیں تھی' معاذ اللہ بے غیرت نہیں تھے' ان سے اونچے مسلمان تو کوئی دوسرے ہو ہی نہیں سکتے جو مکہ کے ابتدائی دور میں ایمان لائے تھے۔ لیکن انہوں نے حضرت سمیہؓ اور حضرت یاسرؓ کو کیوں نہیں بچایا؟

پھر میرے نزدیک جس معنی میں آج کا تصورِ ریاست ہے یہ تصور اُس دور میں تھا ہی نہیں۔ ہم آج کی اصطلاحات کو اُس وقت کے زمانے پر جو منطبق کر دیتے ہیں تو افہام و تفہیم کے لئے تو کسی وقت اس طرح تشبیہ دینا مناسب ہوتا ہے لیکن کُلی طور پر وہی تصور قائم کر لینا بالکل غلط ہے۔ آج کل کا "Established State" کا جو ایک تصور ہے یہ بالکل مختلف ہے' یہ تصور اُس وقت تھا ہی نہیں۔ خاص طور سے مدینہ منورہ میں تو ریاست کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ وہاں پر دوہرا عدالتی نظام قائم تھا۔ حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ "فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ" (المائدہ: ۴۲) یعنی آپ چاہیں تو ان کے مقدمات کا فیصلہ فرمائیں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ کیا ایسا کسی حکومت میں ہو سکتا ہے؟ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے منافق بھی اپنے مقدمات یہود کی عدالتوں میں لے جاتے تھے۔ ایک واقعہ ایسا بھی ملتا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے

پاس مقدمہ لانا چاہتا ہے لیکن مقدمہ کا دوسرا فریق ایک منافق اسے یہودی مولویوں کے پاس لے جانے پر مصر ہے۔ تو کیا یہ کسی ریاست کا نقشہ ہے؟ پھر میدانِ اُحد سے تین سو آدمی حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے آئے، لیکن ان میں سے کسی کو سزا نہیں ملی۔ اس سے بڑا کوئی جرم ہو سکتا ہے کہ فوجی میدانِ جنگ سے فرار ہو جائے؟ تو اصل میں مدینہ منورہ میں ریاست یا حکومت اُس وقت تک قائم ہوئی ہی نہیں تھی۔ البتہ حضور ﷺ کی دعوتی جدّوجہد کی انقلابی تحریک Active Resistance کے دور میں آچکی تھی اور قتال کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسے مجبور مردوں، عورتوں، بچوں کی خاطر اللہ کی راہ میں جنگ کریں جنہیں کمزور بنا لیا گیا ہے اور انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ○○

علاقائی اجتماع

برائے رفقاء تنظیم اسلامی پاکستان حلقہ پنجاب شمالی

از ۸ تا ۱۰ / اپریل ۹۴ء

مقام : البدر ہوٹل کمیٹی چوک راولپنڈی

پروگرام : روزانہ صبح ساڑھے آٹھ بجے تا ایک بجے دوپہر

اور بعد نماز عصر تا بعد نماز عشاء

- ۸ / اپریل ساڑھے بارہ بعد بجے دوپہر لیاقت باغ راولپنڈی میں **جلسہ عام** منعقد ہو گا اور اسی روز بعد نماز مغرب توسیعی مشاورت کا اجلاس ہو گا
- علاقائی اجتماع میں حلقہ پنجاب شمالی کے تمام رفقاء کی شرکت لازم ہو گی
- علاقائی اجتماع کے بعد اسی مقام پر ۱۱ تا ۱۴ اپریل مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تربیت گاہیں منعقد ہوں گی

مدنی دور کے آغاز میں

اہلِ ایمان کو پیشگی تنبیہہ

(مباحثِ صبر و مصابرت ' درس ۴)

—————(۱)—————

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ
وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ
مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

مطالعہ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے پانچویں حصے کا تیسرا درس سورۃ البقرہ کی ان پانچ آیات (۱۵۳ تا ۱۵۷) پر مشتمل ہے۔ ان آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے ایمان والو مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور مت کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں' مردہ! بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ اور ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں کچھ خوف سے' بھوک سے اور مال و جان کے نقصان سے اور نتائج و ثمرات کے ضیاع سے۔ اور اے نبی خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جن پر اگر کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ جانا ہے۔ یہی ہیں وہ

لوگ کہ جن پر ان کے رب کی جانب سے عنایتیں ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ کہ جو راہ یاب ہونے والے ہیں (منزل مراد تک پہنچنے والے ہیں)۔"

ان آیات سے در حقیقت سورۃ البقرۃ کے نصفِ ثانی کا آغاز ہو رہا ہے' تاہم اس بات کو سمجھنے کے لئے سورۃ البقرۃ کے زمانۂ نزول کو ذہن میں رکھنا اور اس کے مضامین کے درمیان جو ایک نہایت گہری حکیمانہ ترتیب ہے' اس پر ایک نگاہ ڈالنا ضروری ہے۔ زمانہ نزول کے اعتبار سے سورۃ البقرہ پہلی مدنی سورت ہے۔ تقریباً ڈھائی پاروں پر پھیلی ہوئی اور ۲۸۶ آیات پر مشتمل قرآن حکیم کی یہ طویل ترین سورۃ اکثر و بیشتر ان آیات پر مشتمل ہے جو ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل وقتاً فوقتاً نازل ہوئیں۔ صرف چند آیات مستثنیٰ ہیں' مثلاً سود کی حرمت سے متعلق آیات اور قرض کے لین دین سے متعلق احکام پر مشتمل طویل آیت جو کہ مدنی دور کے آخری زمانے سے متعلق ہیں' یا پھر سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں جن کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ معراج کی شب نبی اکرم ﷺ کو امت کے لئے تحفے کے طور پر عطا ہوئیں' باقی قریباً پوری سورۃ ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل کے عرصے کے دوران نازل ہوئی جس کا دورانیہ کم و بیش دو سال بنتا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سے متصلاً قبل سورۃ الحج ہے اور ان دونوں سورتوں کے مضامین میں بڑی گہری مناسبت ہے گو مصحف میں ان کے مابین لگ بھگ پندرہ پاروں کا فصل ہے' سورۃ البقرہ بالکل آغاز میں ہے اور تیسرے پارے کے قریباً نصف تک چلی گئی ہے جبکہ سورۃ الحج سترھویں پارے کے نصف آخر میں ہے' تاہم زمانہ نزول کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں متصل ہیں۔

سورۃ البقرہ — دو امتوں کی سورت

سورۃ البقرہ کے دو بڑے بڑے حصے ہیں۔ پہلے حصے میں رکوعوں کی تعداد دوسرے حصے کے مقابلے میں قدرے کم ہے لیکن آیات کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ حصہ اٹھارہ رکوعوں اور ایک سو باون آیات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے حصے میں رکوع بائیس ہیں اور آیات ایک سو چونتیس ہیں۔ گویا ایک خوبصورت توازن یہاں موجود ہے' تقریباً نصفین پر یہ سورۃ

مبارکہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔ نصفِ اول میں خطاب کا رخ تقریباً کُل کا کُل بنی اسرائیل کی طرف ہے' جبکہ نصفِ ثانی میں خطاب امتِ مسلمہ سے ہے بحیثیتِ امتِ مسلمہ۔ ویسے بنی اسرائیل سے براہ راست خطاب کا آغاز پانچویں رکوع سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ پندرھویں رکوع تک چلا گیا ہے۔ گویا مسلسل دس رکوع بنی اسرائیل سے براہ راست گفتگو پر مشتمل ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کے ابتدائی چار رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے افراد کا ذکر آیا ہے اور پھر قرآن کی بنیادی دعوت کا خلاصہ دو رکوعوں میں بیان کر دیا گیا۔ وہاں بھی اگرچہ بین السطور یہود کا ذکر موجود ہے تاہم ان سے براہ راست خطاب نہیں ہے۔ پھر پانچویں رکوع سے یہود کے ساتھ براہ راست خطاب کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ پندرھویں رکوع تک چلا گیا ہے۔ اس میں یہود یعنی بنی اسرائیل کو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کی مؤثر دعوت بھی ہے اور ان پر ایک نہایت مفصل قرار دادِ جرم بھی عائد کی گئی ہے' اس لئے کہ ان کی حیثیت سابقہ امت مسلمہ کی تھی۔ یہود اڑھائی ہزار برس تک اس منصب پر فائز رہے' نبوت و رسالت کا سلسلہ ان کے یہاں لگاتار جاری رہا' آسمانی کتابیں انہیں عطا کی گئیں' اس پورے عرصے کے دوران شریعتِ الٰہی کے وہ حامل رہے' یوں کہئے کہ وہ اڑھائی ہزار برس تک اللہ کی زمین پر اللہ کی نمائندہ امت تھے۔ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی جو ناقدری کی' شریعتِ الٰہی کو جس طرح بازیچۂ اطفال بنایا' اللہ کی کتاب میں جس جس طرح سے تحریف کی' وہ دنیا پرستی میں جس طرح غرق ہوئے اور دین کا جو حلیہ انہوں نے بگاڑا' اس سب کا ذکر کر کے گویا یہ اعلان فرما دیا گیا کہ انہیں ان کے منصبِ جلیلہ سے معزول کیا جا رہا ہے اور ان کی جگہ ایک نئی امت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر برپا کی جا رہی ہے۔ یہ ہے وہ مضمون کہ جس کے لئے سورۃ البقرہ کے پانچویں رکوع میں اگرچہ یہود کے لئے دعوتی انداز بھی ملتا ہے لیکن پھر دسویں رکوع تک ملامت کا رنگ غالب ہے' ان کے جرائم کی طویل فہرست کا بیان ہے بلکہ یوں کہئے کہ ایک مفصل فردِ قرار دادِ جرم ہے جس کے نتیجے میں وہ اس مقام و مرتبہ سے محروم اور اس عظیم منصب سے معزول ہوئے جس پر وہ اڑھائی ہزار برس تک فائز

رہے اور اب امتِ مسلمہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ وَالسّلام اس مقام پر فائز کی گئی ہے۔

چنانچہ پندرھویں رکوع سے لے کر اٹھارھویں رکوع تک' ان چار رکوعوں میں اسی اہم تبدیلی کی جانب اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان رکوعوں میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے کہ جو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد تھے اور اس اعتبار سے دونوں کے نزدیک یکساں طور پر محترم تھے۔ پھر ان رکوعوں میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا باہتمام ذکر آیا ہے اور بوقتِ تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کا ذکر ہے کہ اے پروردگار' ہماری نسل میں سے ایک امت برپا کیجیو اور ان میں اپنا ایک نبی مبعوث فرمائیو۔ اس دعا کا ذکر پندرھویں رکوع میں ہے۔ اور پھر گویا کہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ امت برپا ہو گئی ہے اور اس نبی کی بعثت ہو گئی ہے جس کے لئے حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند اسماعیل (علیہما السلام) نے دعائیں مانگی تھیں۔ اب اس نبی کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر ایک امت وجود میں آ چکی ہے جسے ایک نہایت بلند منصب عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ سترہویں رکوع میں وہ آیۂ مبارکہ آئی جس میں نئی امت کی تشکیل کا ذکر ہے:

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"

"اور اسی طرح بنایا ہے ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت' ایک بہترین امت' تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر گواہ بن جائیں۔"

نئی امت کیوں تشکیل دی گئی؟

سورۃ الحج کے آخری رکوع میں یہی مضمون ایک دوسری ترتیب سے آیا تھا۔ اے مسلمانو' اپنے نصیب پر فخر کرو کہ اس نے تمہیں ایک اہم منصب کے لئے چن لیا ہے' پسند کر لیا ہے "هُوَ اجْتَبٰىكُمْ" تم نبوت و رسالت کے سلسلے میں ایک مستقل کڑی کی حیثیت سے شامل کر لئے گئے ہو۔ یہ سب کچھ کس لئے ہے؟ "لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" تاکہ رسول تم پر گواہ بن جائیں اور تم پوری نوع

انسانی پر دین حق کی گواہی دینے والے بن جاؤ۔۔۔۔۔۔گویا دونوں مقامات پر ایک ہی مضمون مختلف ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ شہادت علی الناس کا مضمون سورۃ الحج کے درس کے ضمن میں وضاحت کے ساتھ آ چکا ہے۔ پھر انہی رکوعوں میں دو مرتبہ وہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کے اساسی طریق کار کا بیان ہے۔ پہلے تو پندرھویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ وارد ہوئے اور پھر اٹھارہویں رکوع میں جہاں اس دعا کی قبولیت کا اعلان ہے وہاں یہ الفاظ اس شان کے ساتھ آئے: " كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ "گویا کہ امتِ مسلمہ کے مقصدِ وجود اور اس کی غرضِ تاسیس کا نمایاں انداز میں ذکر سورۃ البقرہ کی اس آیت میں آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑی ہی اہم اور قابل توجہ بات ہے' اس لئے کہ چھوٹی سی انجمن بھی اگر بنائی جاتی ہے تو آغاز ہی میں اس کے اغراض و مقاصد معین کئے جاتے ہیں کہ یہ ادارہ کیوں تشکیل دیا جا رہا ہے اور کون سا اہم کام ہے جو اس کے پیش نظر ہے' اس انجمن کی غرض تاسیس کیا ہے؟ وغیرہ -- سوچئے کہ اتنی بڑی امت اگر تشکیل دی گئی ہے تو لازماً اس کے بھی کچھ اغراض و مقاصد ہوں گے۔ یہی در حقیقت اس آیت کا موضوع ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل لفظ "امت" کے مفہوم پر بھی غور کیجئے! "اَمَّ - يَؤُمُّ" کے معنی ہیں قصد کرنا' ارادہ کرنا۔ امت سے مراد ہے ہم مقصد لوگوں کا ایک گروہ یا ایک جماعت۔ ایک مشترک نصب العین رکھنے والے اور ایک ہی ہدف اور منزل مقصود رکھنے والے لوگ امت قرار پاتے ہیں۔ اس پس منظر میں سمجھئے کہ مسلمانوں کو امت اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ فریضۂ نبوت اور کارِ رسالت جو پہلے انبیاء اور رسل ادا کیا کرتے تھے اب ختم نبوت کے بعد قیامت تک یہ ذمہ داری اس امت کو ادا کرنی ہے۔ لوگوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کا فریضہ اب اس امت کے حوالے کیا گیا ہے۔ اسی فریضے کا عنوان ہے "شہادت علی الناس" اور "اتمامِ حجت"۔ کہ اپنے قول و فعل سے دین حق کی گواہی دینا اور اللہ کی طرف سے خلقِ خدا پر حجت قائم کر دینا تاکہ محاسبۂ اخروی کے وقت وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ اے اللہ تیری ہدایت ہم تک پہنچی نہیں' ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تو کیا چاہتا ہے' ہمیں

بتایا ہی نہیں گیا کہ تیری مرضی کس چیز میں ہے۔ سورۃ النساء میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

"لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ، وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○"

"تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے (محاسبہ کے) مقابلے میں کوئی دلیل اور حجت باقی نہ رہے' اور اللہ تو ہے ہی سب پر غالب' کمال حکمت والا۔"

تو سورۃ البقرہ کے پندرھویں رکوع سے لے کر اٹھارھویں رکوع تک یوں سمجھئے کہ وہی مضامین جن کا مطالعہ ہم سورۃ الحج' سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں' یہاں ایک ذرا مختلف ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر امت کے فرضِ منصبی کے حوالے سے ان سب مضامین کو بیان کرنے کے بعد اب خطاب شروع ہوتا ہے مسلمانوں سے بحیثیتِ امتِ مسلمہ' کہ اپنے ان فرائض کی عظمت کو پہچانو' ایک بڑا کٹھن اور نہایت بھاری بوجھ ہے جو تمہارے کاندھے پر آ گیا ہے۔ اس پہلو سے یہ مقام سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات کے بہت مماثل ہے کہ جہاں آنحضور ﷺ کو آغازِ وحی کے بالکل ابتدائی دور میں شخصی طور پر خطاب کر کے کچھ خصوصی ہدایات دی گئیں اور پیشگی آگاہ کر دیا گیا کہ "اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا" (اے نبی) "ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں"۔ کارِ رسالت کی بھاری ذمہ داری آپ ؐ کے کاندھوں پر ڈالی جا رہی ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر یہ تلقین بھی کی گئی کہ "وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا" کہ ان مخالفین کی باتوں پر آپ صبر کیجئے اور استقامت کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ رہئے اور ان مخالفین کو خوبصورتی کے ساتھ نظر انداز کر دیجئے۔

امت سے پہلا باضابطہ خطاب

اب کارِ رسالت کا یہ بوجھ چونکہ امت کے کاندھوں پر آ رہا ہے' یہ اجتماعی ذمہ داری ہے جو امت کو تفویض کی جا رہی ہے' لہٰذا امت سے خطاب ان الفاظ میں ہوا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ"

"اے اہل ایمان مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔"

حکم ہو رہا ہے کہ دعوت و تبلیغ دین کی اہم ذمہ داری اور فریضہ شہادت علی الناس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قوت پکڑو صبر و ثبات سے 'سہار اور تحمل سے اور نماز سے کہ جو اللہ کے ذکر کی ایک اعلیٰ شکل اور اس کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم رکھنے کا موثر ذریعہ ہے۔

اگرچہ اس سے پہلے ہمارے اس منتخب نصاب میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ متعدد بار آ چکے ہیں' یہاں تک کہ صرف سورۃ الحجرات میں پانچ مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں لیکن یہاں ان الفاظ کے حوالے سے ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کا یہ وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں سے بحیثیتِ امتِ مسلمہ گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ امت کی تشکیل کے اعلان کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کو باضابطہ خطاب کیا گیا اور اس کے لئے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ لائے گئے۔ یہ بات بہت سے حضرات کے لئے شاید قابل تعجب ہو کہ پورے مکی قرآن میں کہیں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ نہیں آئے۔ قرآن مجید کا قریباً دو تہائی حصہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے اور پورے مکی قرآن میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب نہیں ملتا۔ اس قاعدے میں استثناء صرف ایک ہے اور وہ سورۃ الحج کا وہی مقام ہے جو ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے' لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف چلا آ رہا ہے۔ بہت سے حضرات اسے مدنی مانتے ہیں اور اس کی بعض آیات کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ وہ یقیناً یا تو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں یا اثنائے سفر ہجرت میں ان کا نزول ہوا۔ اس پہلو سے یہ استثناء بھی باقی نہیں رہتا اور یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پورے مکی قرآن میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ نہیں آئے۔ آیت زیر نظر سے قبل سورۃ البقرہ میں اگرچہ صرف ایک مرتبہ یعنی آیت ۱۰۴ میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں لیکن وہ بھی ایک ضمنی بات کے طور پر' اصل میں مسلمانوں سے بحیثیتِ امت مسلمہ خطاب شروع ہو رہا ہے سورۃ البقرہ کی اس آیت ۱۵۳ [illegible] "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کا

اندازِ خطاب نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ مکی قرآن میں خطاب جہاں بھی ہے وہ براہِ راست محمدؐرسول اللہ ﷺ سے ہے بصیغۂ واحد' ہاں تبعاً آپؐ کی وساطت سے مسلمان بھی اس خطاب کے مخاطب ہوتے ہیں' لیکن قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بحیثیتِ امت خطاب کا آغاز مدینے میں آکر ہوا کہ جہاں مسلمان ایک امت کی حیثیت اختیار کر چکے تھے اور تشکیلِ امت کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا تھا۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگرچہ مکے میں بھی ان کی حیثیت ایک جماعت کی اور ایک REVOLUTIONARY PARTY کی تھی لیکن ان کی بحیثیت امت مسلمہ باقاعدہ تاج پوشی (CORONATION) مدینے میں ہوئی اور اس کی علامت کے طور پر تحویل قبلہ کا معاملہ ہوا۔ دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں یہ حکم وارد ہوا کہ تمہارا قبلہ بدل دیا گیا ہے' آئندہ نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ نہیں ہوگا بلکہ "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" کہ اب پھیر لو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی جانب۔ ایک نئے مرکز کے گرد ایک نئی امت کی تشکیل کا اعلان کر دیا گیا اور اسی اعتبار سے اب قرآن مجید میں مسلمانوں سے خطاب کے لئے مستقل اصطلاح ہے :
"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"

ایک نئے دورِ آزمائش کا آغاز

بہرحال اس مرحلے پر یہ آیات ایک پیشگی تنبیہہ کا درجہ رکھتی ہیں کہ مسلمانو' یہ نہ سمجھو کہ ہجرت کے بعد اب تمہاری تکالیف کا دور ختم ہو گیا' مشکلات اور مصائب کا دور اب بیت گیا' تم نے ہجرت کی ہے فرار کی راہ اختیار نہیں کی' یہ درحقیقت اپنے مشن اور مقصد کی طرف پیش قدمی کے لئے ایک مرکز ہے جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے' تمہاری جدوجہد اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی ہے ؏ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں' ابھی تو بڑی بڑی آزمائشیں آئیں گی' اصل کٹھن مراحل تو ابھی آنے ہیں کہ جن سے تمہیں سابقہ ہوگا' اس لئے کہ تمہاری یہ دعوت اور تحریک اب ایک ایسے مرحلے میں آگئی ہے کہ جہاں نظریاتی تصادم اور کشمکش سے آگے بڑھ کر عملی تصادم یعنی جہاد بالسیف اور قتال کا آغاز کرنا ہوگا۔ گویا تم PASSIVE RESISTANCE کے مرحلے سے

برداشت کرنے کے مرحلے سے آگے بڑھ کر باطل پر حملہ آور ہونے اور دشمن پر ضرب لگانے کا وقت آ رہا ہے' تو اچھی طرح سمجھ لو کہ آنے والا دور ہرگز کوئی آسائشوں اور آرام کا دور نہیں ہے بلکہ تمہارے لئے نئی نئی آزمائشوں کے دروازے کھل رہے ہیں' لہٰذا ان آزمائشوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے صبر و ثبات اور نماز سے قوت و استقامت حاصل کرو۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ"

ابتلاء و آزمائش کے مقابلے کے لئے اصل ہتھیار۔ صبر اور نماز

اس مرحلے پر تمہاری قوت کی اساس اور تمہارے صبر و ثبات کی بنیاد دو چیزوں پر ہے' ایک صبر اور دوسرے نماز۔ یہی دو چیزیں ہیں کہ جن کو تم اپنی مدافعت اور اپنے ثبات کے لئے اپنا سہارا اور بنیاد بناؤ۔ "اِسْتَعِیْنُوْا" کا مفہوم ہے مدد چاہو' قوت پکڑو۔ ذہن میں رکھئے کہ اس سے پہلے ہم سورۃ العنکبوت کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ہم نے اس کے پہلے رکوع کو تفصیل سے پڑھا' پھر ہم نے دیکھا کہ جن حالات سے اُس وقت صحابہ کرام ؓ دوچار تھے اس میں انہیں جو ہدایات دی گئیں ان کا نقطۂ آغاز یہی ہے۔ چنانچہ پانچویں رکوع کے آغاز میں فرمایا گیا: "اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ" یعنی اے نبی! "تلاوت کرتے رہئے جو وحی کیا گیا آپ کی طرف کتاب میں سے' اور نماز قائم کیجئے۔ یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔" یہی بات ہم سورۂ بنی اسرائیل میں دیکھ چکے ہیں۔ وہاں پر بھی فرمایا گیا کہ اے نبی! اگرچہ جو مصالحانہ پھندے آپ کے لئے لگائے گئے آپ اللہ کے فضل و کرم سے ان سے بچ نکلے' لیکن صبر و ثبات کے لئے بنیاد وہی اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ" یعنی "قائم رکھئے نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا فجر کا" اور سورۃ العنکبوت میں تلاوتِ قرآن حکیم اور اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا: "وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" "اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی شے ہے۔" اور تلاوتِ قرآن حکیم اور اقامتِ صلوٰۃ اللہ کے ذکر اور تعلق مع اللہ کی بہترین صورتیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی انقلابی کارکن کے لئے اپنی انقلابی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے مقصد اور نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے اس کی وابستگی جس قدر گہری ہو گی' ذہن اور قلب کے اندر اس کی جڑیں جتنی گہری اتری ہوئی ہوں گی' اسی قدر وہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرے گا' مصائب کو جھیلے گا' امتحانات میں کامیابی سے دندناتا ہوا گزر جائے گا اور آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے سرخرو ہو کر نکلے گا۔ یہ جدوجہد چونکہ اللہ کے لئے اور اللہ کے دین کے لئے ہے اور اس میں اصل مقصود و مطلوب اللہ کی رضاجوئی ہے لہٰذا یہاں تمہارے صبر و ثبات کی بنیاد تعلق مع اللہ ہے۔ اللہ کی یاد تمہارے دل میں جس قدر ہو گی اور اللہ تمہارے ذہن سے جتنا قریب تر رہے گا اتنا ہی تم اس راہ میں ثابت قدم رہ سکو گے۔ اور ذکر اللہ کے لئے جو سب سے جامع پروگرام تمہیں دیا گیا وہ ہے نماز۔ چنانچہ یہاں فرمایا گیا: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" "اے اہل ایمان! مدد چاہو صبر سے اور نماز سے۔" "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" "یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

اللہ کی معیت اور نصرت کے اصل حقدار کون؟

———— یہ معیت تائید و نصرت کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی ایک معیت تو وہ ہے جو ہر شے کو حاصل ہے' کیونکہ اللہ ہر جگہ ہر آن موجود ہے۔ "هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" "جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے"۔ ان الفاظ میں اللہ کی معیتِ عمومی کا ذکر ہے' لیکن اہلِ ایمان کو اللہ کی جو معیت حاصل ہوتی ہے وہ ہے اللہ کی تائید و نصرت' اس کی طرف سے توفیق و تیسیر' اس کی طرف سے ہمت کا بندھے رہنا اور بشارتوں کا ملتے رہنا۔ یہاں اسی معنی میں فرمایا گیا: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" کہ یاد رکھو' اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! اس کی یہ معیت ان لوگوں کو حاصل نہیں ہے جن میں مصائب جھیلنے اور مشکلات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں' جو تھڑدلے' بزدل اور کم ہمت لوگ ہیں' جن کا نقشہ سورۃ النساء میں بایں الفاظ کھینچا گیا ہے: "مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ

ذٰلِکَ 'لَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ وَ لَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ" جن کی کیفیت یہ ہے کہ دنیا کو بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا' یہاں کی لذّاتِ سے کنارہ کشی بھی کسی درجے میں گوارا نہیں ہے' مال و اولاد اور تعیشات کی محبتیں بھی دل کے اندر گہری موجود ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ دین کی طرف بھی رغبت ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تائیدِ ربانی اور توفیقِ الٰہی تو انہی لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو یکسو ہو کر آئیں' جن کے بارے میں پہلے عرض کیا گیا کہ جو " ہرچہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم " کے سے جذبے کے ساتھ آئیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ کی معیت اور توفیق و تائید حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ العنکبوت کی آخری آیت بھی ہم پڑھ آئے ہیں: "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا 'وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ " "اور جن لوگوں نے ہماری خاطر جد و جہد کی ہم لازماً انہیں اپنی راہیں بھادیں گے۔ اور یقیناً اللہ تو احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ اللہ کی تائید اور توفیق ہر دم ان کے شامل حال رہتی ہے۔

اسی معیتِ خداوندی کا ایک ظہور ہمارے سامنے حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں آتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اور پیچھے سے فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب شروع کیا تو ایک مرحلہ وہ آیا کہ بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا' سامنے سمندر تھا اور پیچھے نظر آرہا تھا کہ فرعون اور اس کا لشکر چلا آرہا ہے' گرد اڑاتا ہوا قریب سے قریب تر پہنچ رہا ہے۔ اُس وقت موسیٰؑ کے ساتھیوں نے عالمِ بے چارگی میں کہا: "اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ" کہ اے موسیٰ' ہم تو پکڑے گئے! اب تو بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اُس وقت حضرت موسیٰؑ نے کمال دلجمعی کے ساتھ جواب دیا: "کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ" نہیں نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے' وہ یقیناً مجھے راستہ دے گا!! چاہے بظاہر احوال کوئی راستہ نہیں' مادی اسباب و وسائل راستہ روکے کھڑے ہیں' لیکن میرا توکل و انحصار اور میرا تکیہ اور دارومدار اس ذات پر ہے جو مسبب الاسباب ہے' جو اسباب سے ماوراء ہے' وہ یقیناً راستہ نکال دے گا۔ یہی بات غارِ ثور میں حضور ﷺ نے فرمائی تھی۔ جب بربنائے طبع بشری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کچھ گھبرا گئے تھے کہ حضور' یہ لوگ غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے غیر ارادی طور

پر بھی اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈال لی تو ہم پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت حضور ﷺ نے فرمایا تھا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" نہیں نہیں 'گھبراؤ نہیں 'اللہ ہمارے ساتھ ہے! تو یہ ہے مفہوم "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" کا۔ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ معیتِ الٰہی کا مقام ہے' یہ درحقیقت بندۂ مومن کا آخری سہارا ہے ان حالات میں بھی کہ جہاں کوئی حالت امید افزا نظر نہ آرہی ہو' جہاں کہیں کوئی راستہ نکلتا ہوا دکھائی نہ دے رہا ہو اور امید کی کوئی کرن کسی جانب سے نظر نہ آتی ہو۔ معیتِ خداوندی کا یہ یقین اور اللہ کی تائید و نصرت پر یہ بھروسہ ایک ایسی شے ہے جو بندۂ مومن کو اس طرح کے انتہائی مایوس کن حالات میں بھی ثابت قدم رکھتی ہے اور وہ اپنی منزل مقصود کی طرف پیش قدمی جاری رکھتا ہے' نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے جو کچھ اس کے بس میں ہوتا ہے وہ کئے چلے جاتا ہے۔ لہٰذا اس مرحلے پر امت کو اس کے فرض منصبی سے آگاہ کرنے اور وہ کٹھن ذمہ داری جو اس کے کاندھے پر آرہی ہے اس سے مطلع فرمانے کے بعد جو پہلی ہدایت دی گئی وہ یہی ہے کہ: " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ○"

(جاری ہے)

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف **وحدتِ اُمّت** میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحؒ اور مولانا سیّد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے

تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تُلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اِس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شایان طور پر شائع کیا ہے۔

بڑے سائز کے ٥٢ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ ...

رپورتاژ

"لذتِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی"

ماہ رمضان المبارک کے دوران امیر تنظیم اسلامی کے دورۂ ترجمۂ قرآن کے بارے میں ایک شریکِ محفل 'جناب راشد حفیظ' کے تاثرات

رمضان المبارک باری تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ہے جن میں عطائے ربانی کی وسعت کا ادراک انسانی احاطۂ فہم سے بالاتر ہے۔ اس سے استفادے کا بہترین طریقہ ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس کو نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک نے بہترین کہا ہو۔ چنانچہ یہ حدیث ہماری آپ کی نگاہوں سے بارہا گزری ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں۔ رمضان کے دوران اس تصور کو عملی شکل دینے کی سب سے عمدہ تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اس کو قیام اللیل کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور یوں رحمتوں کا نزول سہ آتشہ ہو جائے۔

اہلِ لاہور پر اللہ کی خاص نظرِ کرم ہے کہ ان کو ان کے اپنے ہی شہر میں اللہ نے اپنے ایک مخلص بندے کے ذریعے اسی سہ آتشہ رحمت و برکت کے حصول کی یہی سعادت نصیب فرمائی اور سچ تو یہ ہے کہ اس سعادت پر صرف لاہوریوں کی اجارہ داری تھوڑا ہی ہے۔! آخرت میں شانِ کئی کے متلاشی جانے کہاں کہاں سے دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کے لئے آئے تھے کہ رمضان سے قبل ہی اخبارات کے ذریعے اہل دل کو دعوت دی گئی تھی۔ ان کی سہولت کے لئے قیام و طعام کے انتظامات بھی کئے گئے تھے۔ ملک کے طول و عرض سے متعدد افراد اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے شعبان کی آخری تاریخ کو قرآن اکیڈمی پہنچے کہ اس پروگرام کے لئے قرعۂ فال 'قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع مسجد کے نام نکلا تھا۔ مثال کے طور پر محترم عمر حیات الحسینی بوسن جو کہ جامع منہاج القرآن کے فارغ التحصیل ہیں' ملتان سے تشریف لائے۔ اسی طرح ایک جرمن نو مسلم عزیزی الیگزنڈر مصطفےٰ فلزل جو کہ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں دو ماہ کا نو مسلموں کے لئے

خصوصی تعارفی کورس کرنے تشریف لائے ہوئے ہیں' دورۂ ترجمہ میں شرکت سے فیض یاب ہوئے۔ یہ دو احباب تو وہ ہیں جن کا قیام راقم الحروف کے ساتھ رہا۔ ایسے نہ جانے کتنے اہلِ درد اور ہوں گے جو دل کی تڑپ کے ہاتھوں اس دعوتِ قرآنی پر دور دور سے کچے دھاگے سے بندھے چلے آئے تھے۔ باری تعالیٰ ان تمام احباب کی سعی و قربانی کو قبول فرمائے۔

رمضان کے دوران جامع القرآن' قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن میں جشن کا ساسماں رہتا۔ رات آٹھ بجے سے اکیڈمی کے گردونواح میں گاڑیوں کی لمبی لمبی قطاریں لگنا شروع ہو جاتیں۔ اکیڈمی کے پڑوسیوں نے کمال خوشدلی سے اپنے گھروں کے باہر شرکاء کو گاڑیوں کی پارکنگ کی اجازت دے رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ایک پڑوسی نے تو اپنے گھر کا اندرونی پارکنگ ایریا تک کھول دینے کی پیشکش بھی کی جسے بوجوہ قبول کرنے سے شکریئے کے ساتھ معذرت کرلی گئی۔ جامع القرآن کا سٹاف ان گاڑیوں کی حفاظت کے لئے شب بھر گشت پر رہتا۔ ان کی مزید تقویت کے لئے مقامی انتظامیہ کی طرف سے پولیس کے اہلکاروں کی بھی ڈیوٹی لگی رہتی۔ اللہ کا لاکھ شکر کہ اس نے اپنے لطف و کرم سے کسی ناخوشگوار واقعہ کو وقوع پذیر نہ ہونے دیا ورنہ ایسے حالات میں یہ کچھ بعید نہ تھا۔

دورۂ ترجمۂ قرآن کے معمولات اس طرح تھے کہ عشاء کی جماعت ساڑھے آٹھ بجے کھڑی ہوتی تھی جس کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ایک گھنٹے میں پہلی چار تراویح میں پڑھے جانے والے متنِ قرآنی کا ترجمہ اور مختصر تشریح بیان فرماتے۔ پھر تراویح کی چار رکعت امیر محترم کے فرزندِ سعید حافظ عاکف سعید کی امامت میں ادا کی جاتیں۔ ترجمہ سن کر انہی آیات کی نماز تراویح میں سماعت کا کچھ اور ہی لطف تھا۔ ع "لذّتِ ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی"۔ اس کے بعد اگلی چار تراویح کے متنِ قرآنی کے ترجمہ و تشریح کی وہی گھنٹہ بھر کی نشست ہوتی۔ آٹھ تراویح کے بعد پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا جس میں شرکاء کی چائے سے تواضع کی جاتی۔ بیس رکعت تک یہی سلسلہ چلتا رہتا اور یوں ڈھائی بجے شب کے کہیں بعد وتر کی جماعت ہوتی۔ تراویح اور ترجمۂ قرآن کی نشست جامع القرآن کے مرکزی ہال میں رہتی جس کے شمال میں پہلی منزل پر چھوٹا ہال

خواتین کے لئے مخصوص تھا۔ دونوں ہال اپنی اپنی تنگیٔ داماں سے "بے حال" رہے۔ خاص طور پر آخری عشرہ میں جب تراویح کی جماعت صحن کی آخری صفوں تک پہنچ جاتی تو تاخیر سے آنے والوں کو تو چند لمحے تک رک کر انتظار بھی کرنا پڑتا۔

اس دفعہ رمضان میں موسم نہایت خوشگوار رہا' جاڑے کا چل چلاؤ تھا اور بہار کی آمد آمد تھی۔ فطری بات ہے کہ ایسے موسم میں قلب و نظر کے دریچے آپ ہی آپ کھل جاتے ہیں' اس پر رمضان کی متبرک و معتبر ساعتیں' نزولِ سکینہ کی روحانی جلاء' قرآن کی سحر انگیزی اور پھر امیر محترم کی معجز بیانی -- لاہور والے پنجابی میں اسے چُپڑی اور دو دو نہیں کہتے' سو سو کہتے ہیں۔

بارے وارداتِ قلبی کا بھی کچھ بیاں ہونا چاہئے۔ ہم جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے قبل جن رسولوں کو معجزات عطا کئے گئے تھے' چونکہ ان کی رسالت ایک محدود وقت اور علاقہ یا نسل وغیرہ تک کے لئے ہوتی تھی لہٰذا ان کے معجزات کی نوعیت بھی اسی کے مطابق تھی جبکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت چونکہ کافۃ الناس کے لئے اور قیامت تک وسیع ہے لہٰذا آپؐ کو عطا ہونے والا معجزہ یعنی قرآن پاک بھی اپنے اندر ایسی کیفیات رکھتا ہے جو قیامت تک کسی نہ کسی پہلو سے بنی نوع انسان کی بصیرت کے لئے معجزہ ثابت ہوتی رہیں گی۔ ہم سب کا اس پر ایمان تو ہے تاہم اس کیفیت کا عملی ظہور حالیہ دورۂ ترجمۂ قرآن میں دیکھنے میں آیا۔ حالانکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروس کا ایک امتیازی رنگ یہ ہوتا ہے کہ یہ معاشرے کے بالائی طبقہ یعنی انٹلیکچوئلز پر سب سے گہرا تاثر چھوڑتے ہیں لیکن یہ دورۂ ترجمۂ قرآن ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے قرآن کی اثر آفرینی کا معجزاتی ردِ عمل یعنی دل میں بے ساختہ اتر جانے والی کیفیت کا مظہر دکھائی دیا اور دانشور' معروف صحافی' تاجر' سرکاری ملازمین' علمائے کرام اور اہل ہنر یعنی ڈاکٹرز' انجینئرز سے لے کر ٹیلرز تک' گویا زندگی کے تقریباً ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے ہدایت کے متلاشی یکساں اور بھرپور ذوق و شوق سے شریک ہوتے رہے۔ گلبرگ کی ایک جامع مسجد کے محترم خطیب تو باقاعدہ ایک جماعت کی صورت' احباب کے ہمراہ تشریف لانے کا اہتمام فرماتے رہے---- اگر ایسی سب مثالیں نوکِ قلم پر لاؤں تو کتاب ہو جائے لہٰذا خوفِ طوالت سے اپنے ایک

ذاتی احساسِ محرومی کے ذکر پر بات ختم کر رہا ہوں کہ اس دورۂ ترجمہ قرآن کے بعد قلب و ذہن میں زلزلہ سا برپا ہے اور شاید شدتِ انشراح کے ردِّ عمل میں رہ رہ کر یہ خیال اٹھتا ہے کہ کاش قرآن فہمی کی ایسی مجلس اگر پہلے نصیب ہو جاتی تو زندگی کا اتنا سفر جو رائیگاں گزر چکا' شاید کچھ سنور جاتا۔ چند شرکاء نے تو یہاں تک گلہ کیا کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے ساتھ تراویح کے اس معمول کا آغاز کرنے میں بہت تاخیر کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ تاثر ہم سب شرکاء کا "سانجھا" ہے' حفیظ جالندھری کا ایک شگفتہ سا شعر ہے۔

ملے غیر کو بھی درد کی دولت یارب　　　اک میرا ہی بھلا ہو مجھے منظور نہیں

درد کی یہ دولت ترجمۂ قرآن میں بے پناہ لٹی اور "غیر" اپنے ہوتے چلے گئے۔ مجموعی تاثر کا اندازہ اس کے رد عمل سے یوں ہو سکتا ہے کہ کتنے ہی دردمندوں نے اس درد میں محترم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ شیئر کیا' انجمن خدام القرآن کے مقصدِ تاسیس یعنی قرآن کے پیغام کو بلاواسطہ سمجھنے کی طلب اور پکار پر لبیک کہی اور انجمن کے زیر اہتمام عربی کی کلاسز اور قرآن کالج کے ایک سالہ کورس میں شریک ہونے کے مصمم عہد کا اظہار کیا۔ دل کی کسک ان کو اس جستجو کی طرف لے جاتی تھی کہ کاش کوئی ایسا راستہ مل جائے جس پر چل کر انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت یعنی موجودہ غلیظ دجّالی نظام کی دلدل سے باہر آ سکے۔ میرا خیال ہے کہ یہ طلب ہی درحقیقت باری تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کھلنے کی ابتداء ہوتی ہے۔ یہی وہ طلب ہے جو انسان کے دل کی گہرائیوں سے "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کی دعا نکلواتی ہے اور پھر آسمانوں پر لطف و عطا' رشد و ہدایت کے فیصلے ہونے لگتے ہیں۔ شرط صرف پہلا قدم اٹھانے کی ہوتی ہے اور یہ وہی پہلا قدم ہے جس کا اہتمام اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انجمن خدام القرآن کے ہاتھوں کروا کے ہمارے لئے گویا حجت پوری کر دی ہے یعنی قرآنی پیغام کے براہ راست فہم کی صلاحیت حاصل کرنا اور اسی کی پر زور دعوت اور پھر اس کا بھرپور ردِّ عمل دورۂ ترجمۂ قرآن کا شاید سب سے بڑا نفع تھا۔

رمضان میں یوں تو ترجمۂ قرآن اور بھی کئی جگہ ہوتے ہوں گے کیونکہ جب سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ سلسلہ شروع کیا' اس کی افادیت نے بہت سے لوگوں کو کم از کم جزوی پیروی پر مجبور سا کر دیا ہے لیکن تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ہونے والے دورہ

ہائے ترجمہ میں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ عمودِ قرآنی یعنی امتِ مسلمہ کی اصل ذمہ داری "اقامتِ دین" کی فکر کو دل میں اتارنے کی ہر پہلو سے سعی کی جاتی ہے۔ خاص طور پر جب یہ خود امیر تنظیم کی زبان فصیح البیان سے ادا ہو رہا ہو تو اس کی اثر انگیزی کا دوچند ہونا فطری بات ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کا بار بار یہ فرمانا کہ "خدا جانے آئندہ عمر وفا کرے یا نہ کرے' پھر یہ سعادت مجھے نصیب ہو یا نہ ہو"۔ ہر چند کہ یہ سن کر دل میں ٹیس سی اٹھتی تھی مگر ساتھ ہی ان کا یہ فرمانا آتشِ شوقِ حصول کو ہوا بھی دیتا رہا اور امرِ واقعہ ہے کہ میں نے بارہا قیافہ سے آس پاس بیٹھے لوگوں کے لہو کی گردش کو بھی تیز تر ہوتا ہوا محسوس کیا۔ امیر محترم کے بیان میں یہ روانی اور یہ الہامی سی کیفیت اس سے قبل کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

دورۂ ترجمۂ قرآن کے علمی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا یہ موقع نہیں۔ مختصراً صرف اتنا عرض کروں گا کہ اقوام کی تواریخ کے اسباق' سابقہ اور موجودہ مختلف علمی و نفسیاتی مکاتب ہائے فکر کے نظریات' جدید سائنسی و طبی علوم کے نظائر اور آج کے عالمی حالات کی ستم ظریفی سے استنباط کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جس توجہ' گہرائی اور گیرائی کے ساتھ قرآن کے پیغام کا احاطہ کیا ہے' بادی النظر میں انسان کی محدود صلاحیت سے ماوراء دکھائی دیتا ہے۔ ویسے تو امیر محترم کی ذات' گفتار اور کردار میں بھی اللہ کی برہان کی مصداق ہے تاہم اس شان کو فزوں تر کرنے میں ان کی اپنی بساط سے بڑھ کر کوشش کرنے کی تمنا اہلِ مجلس سے چھپی نہ رہ سکی۔ ناسازیٔ طبع اور لگاتار تکلم کی وجہ سے گلے کی بڑھتی ہوئی تکلیف اور دیگر عوامل سے' جو عمر کے اس حصے میں ان کو ویسے ہی آزمائشوں میں ڈالے ہوئے ہیں' دواؤں اور گوناگوں ٹوٹکوں کے سہارے نبرد آزمائی کرتے ہوئے ہم نے انہیں ہر نشستِ ترجمہ کے بعد پژمردہ لیکن ہر نئے آغاز پر پھر سے تر و تازہ پایا۔ باری تعالیٰ انہیں اس کا اجر دے کہ جہاں تک قرآن کے پیغام کو شرکاء تک پہنچانے کا تعلق ہے' یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گیا۔" اب اس سے کماحقہٗ استفادے کی مساعی ہمارے اپنے بس میں ہیں' استطاعت' صلاحیت اور توفیق دینا پروردگار کے اختیار میں' اور یہ چیزیں طلب کے ساتھ مشروط ہیں۔

اس دورۂ ترجمۂ قرآن کی ایک اہم بات ۲۹ویں شب کو منعقد ہونے والی سوال و

اٹھائیسویں شب تکمیل کو پہنچا تھا۔ اشکالات کی وضاحت کے لئے اگلی شب مختص کی گئی تھی۔ احباب نے تنظیم اسلامی کی طرف سے تقسیم کئے گئے تعارف ناموں پر وضاحت طلب امور لکھ کر منتظمین کو دے دیئے تھے۔ ان کی وضاحت خود امیر محترم نے اپنے مخصوص دلنشیں انداز میں فرمائی جو اقامتِ دین کی جد و جہد کے فرضِ عین ہونے کے ادراک میں بہت زیادہ انشراح کا باعث ہوئی۔ اس کے بعد مسنون طریق پر بیعت کا انعقاد ہوا۔ ایک چادر پر ہاتھ رکھ کر جس کا سرا امیر محترم کے دست مبارک میں تھا' رفقاء نے ان کے ہاتھ پر اللہ سے اطاعت کا عہد کیا' جس کے بعد اجتماعی دعا مانگی گئی۔ یہ ایک نہایت روح پرور اور ایمان افروز نظارہ تھا' کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس پروگرام کو آخرِ شب کی بجائے شروع میں رکھا جاتا تاکہ وہ لوگ بھی جو اس وقت تک جا چکے تھے' اس سے کماحقہٗ اثر لے سکتے۔

دورۂ ترجمہ کا یہ پورا پروگرام بحمدِ اللہ آڈیو' ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے محفوظ کر لیا گیا ہے اور ہر دو طرح کے کیسٹس کی شکل میں دستیاب ہے۔ باری تعالیٰ کا ہم پر یہ احسان ہے کہ اس نے انسانی فہم کو آج کی سائنسی ترقی کی صورت اس قدر شعور بخشا ہے۔ گو کہ وہ خاص روحانی فضا تو لوٹ کر نہیں آئے گی مگر اہل تمنا کی اشک شوئی کا سامان موجود ہے۔ کسی مجبوری یا فاصلے کی وجہ سے جو احباب شریک نہیں ہو پائے ان کے لئے تاخیر روا نہیں ہے۔ ان کیسٹس کو حاصل کرنے میں فرصت کا انتظار بے معنی ہے۔ مبادا کہ عمرِ دراز کے یہ چار دن آرزو یا انتظار میں ہی کٹ جائیں۔

آخر میں ایک تعریض' مقصود جس سے قطعِ محبت نہیں مجھے۔ دروغ بر گردنِ راوی' ایک دانشور صحافی نے جو دورۂ ترجمۂ قرآن کی اس مبارک محفل میں بھی اکثر دیکھے گئے' اپنی نجی مجلس میں امیر محترم کے قرآن مجید سے خصوصی شغف کا ذکر کرتے ہوئے گوہر افشانی فرمائی کہ "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن کے قوال ہیں"۔ سنتے ہیں کہ اس نہلے پر دہلا تو ایک ہم جلیس نے یوں مارا کہ "اور ایسی بات کوئی بھانڈ ہی کہہ سکتا ہے" تاہم واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے قوال ہونے کا رتبۂ بلند تو جسے ملنا تھا مل گیا' اس ناچیز کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی قوال کے طائفے میں ہی شامل رکھے جس کی قوالی سننے کے لئے وہ دانشور صحافی

ماہ رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن کے ذریعے

قرآن حکیم سے تجدیدِ تعلّق کی ملک گیر تحریک

پشاور سے کراچی تک پاکستان کے مختلف شہروں میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے پروگراموں کی مختصر رپورٹ

ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن جس کا آغاز آج سے دس برس قبل امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے لاہور کی قرآن اکیڈمی سے کیا تھا' بحمد اللہ وہ لاہور کی قرآن اکیڈمی تک محدود نہیں رہا' بلکہ اب پاکستان کے متعدد شہروں میں قرآن حکیم کے ساتھ تجدیدِ تعلق کے اس مؤثر اور مفید پروگرام کا باہتمام انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک جامع رپورٹ ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کا یہ مفید پروگرام اب بحمد اللہ ایک تحریک کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ (ادارہ)

لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے دیگر پروگرام

جامع القرآن قرآن اکیڈمی کے علاوہ لاہور میں باقاعدہ دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام دو مقامات پر ہوئے۔ البتہ جامع مسجد گنگ محل میں حافظ محمد اقبال صاحب روزانہ نماز تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ تلاوت کردہ حصہ کے مطالب کا خلاصہ بیان کرتے رہے۔

(ا) مسجد و مکتب' مدینہ روڈ' والٹن لاہور

تنظیم اسلامی کے سینئر رفیق محترم فتح محمد قریشی صاحب نے نہایت ذوق و شوق اور جانفشانی سے یہاں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کی۔ یہ پروگرام روزانہ رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک جاری رہا۔ ہر چار تراویح سے قبل محترم قریشی صاحب لگ بھگ پاؤ پارہ کا ترجمہ بیان کرتے۔ سورتوں کی ابتدا میں سورتوں کا تعارف اور شان نزول بیان کرتے اور دوران ترجمہ اہم مضامین کی مختصر تشریح اور فقہی مسائل پر بھی مختصر بیان ہوتا۔ یہ پروگرام روزانہ چار نشستوں میں مکمل ہوتا رہا۔ حاضرین کی تعداد ابتدائی آٹھ تراویح میں ۲۵ تا ۳۰ رہتی' جبکہ ۱۵ تا ۲۰ افراد آخر تک شریک رہتے۔ چند خواتین نے بھی باقاعدگی سے

شرکت کی۔ ۲۷ویں شب میں ختم قرآن کے موقع پر کثیر تعداد میں لوگ پروگرام میں شریک ہوئے۔ ختم قرآن کے بعد محترم قریشی صاحب نے فرائض دینی کے جامع تصور اور قامتِ دین کی اہمیت کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔

۲) دارالقرآن، دسن پورہ لاہور

یہاں پر امیر محترم کی ویڈیو کیسٹس کے ذریعے دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام مکمل کیا لیا۔ یہاں حاضرین کی تعداد اوسطاً سات سے آٹھ تک رہی اور پروگرام روزانہ رات ٹھ بجے تاایک بجے تک جاری رہا۔ (مرتب: عبدالرزاق)

کراچی میں قرآنی فصلِ بہار

تنظیم اسلامی کو دوسری دینی جماعتوں کے مقابلے میں یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ س کی تمام سرگرمیوں کا محور و مرکز قرآن کریم ہے۔ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمۂ رآن کی محفلوں نے اس کی انفرادیت میں مزید اضافہ کردیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ فیق ہی سے ممکن ہوا ہے۔۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

راچی میں دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز ۱۹۸۶ء میں ہوا جب پہلی بار امیر تنظیم اسلامی نے ماہ مضان المبارک میں ناظم آباد نمبر ۵ کی جامع مسجد میں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کی۔ ماں کے شہریوں نے اس پروگرام کو بہت سراہا اور پروگرام کے اختتام پر پچاس سے زیادہ راد اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے تشکیل دیئے گئے اس کارواں میں شریک ہوئے۔ ۱۹ء میں قرآن اکیڈمی کراچی کی تعمیر مکمل ہونے پر قرعۂ فال ایک بار پھر کراچی کے نام نکلا ر امیر تنظیم اسلامی پاکستان نے قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کی۔ شہر سے ری اور ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی کے باوجود دو ڈھائی سو افراد روزانہ اس پروگرام

تھا۔ ان پروگراموں کے انعقاد سے قرآن کریم کی انقلابی تعلیمات لوگوں میں عام ہوئیں جس کے نتیجے میں متعدد افراد کی زندگیوں میں بھی انقلاب رونما ہوا۔ تقویٰ کے مظاہر کے علاوہ باطنی کیفیات میں بھی درجہ بدرجہ ترقی ہوئی۔ گزشتہ سال یہ پروگرام قرآن اکیڈمی میں رفیق تنظیم انجنیئر نوید احمد کے ذریعہ ہوا۔ اس پروگرام میں اوسط حاضری تقریباً پچاس کے قریب رہی۔ مزید برآں تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبرا کے دفتر واقع گلشن اقبال میں جو کہ شہر کے وسط میں واقع ہے یہ پروگرام ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ کیا گیا۔ رفیق تنظیم جناب حافظ الطاف احمد نے صلوٰۃ تراویح پڑھائی۔ پچھلے سال کی مانند اس سال بھی کراچی میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام متعدد مقامات پر ہوئے:

قرآن اکیڈمی:

اس پروگرام کے لئے اس بار بھی قرعہ فال حسب سابق انجنیئر نوید احمد کے نام نکلا۔ الحمدللہ کہ موصوف نے اس پروگرام کو احسن طریق پر انجام دیا۔ تسلسل کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کرتے رہے رہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے امیر محترم کے رفیق کار ہونے کا حق ادا کردیا ہے۔ اس پروگرام کی تشہیر کے ضمن میں قریباً چھ ہزار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے اور ایک ہزار پوسٹرز چپکائے گئے۔ مزید برآں ماہ شعبان میں دوبار مختلف اخبارات میں اشتہارات شائع کروائے گئے۔

روزانہ تقریباً ۷۵ تا ۱۰۰ افراد اس پروگرام میں شریک رہے جبکہ شب جمعہ میں شرکاء کی تعداد ۱۲۵ تا ۱۵۰ افراد تک پہنچ جاتی تھی۔ ان میں اچھی خاصی تعداد نوجوانوں کی ہوتی تھی جو اپنے بزرگوں کے ہمراہ اس پروگرام میں شریک رہے۔ ان کے علاوہ تقریباً ۲۵ تا ۳۰ خواتین نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی۔ بعض اوقات یہ تعداد ۷۰ تا ۸۰ تک پہنچ جاتی تھی۔ اس پروگرام کے دوران ہر ہفتہ اخبارات کو پریس ریلیز جاری کئے گئے جو روزنامہ "جنگ" "نوائے وقت" "جسارت" اور "امن" وغیرہ میں شائع ہوئے۔

اس پروگرام کی دو اور باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ صدر انجمن خدام القرآن سندھ کے اعلان کے مطابق شرکاء پروگرام کو کتابوں کی فروخت پر پچاس فیصد کی

خصوصی شرح پر رعایت دی گئی جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ امیر محترم کی کتابوں کے دو مکمل سیٹ بلکہ اس کے علاوہ سینکڑوں مزید کتابیں بھی فروخت ہوئیں۔ توقع ہے کہ اس کے ذریعہ تنظیم اسلامی کی دعوت اور طریقہ کار کا ایک وسیع حلقہ میں تعارف ہو گا۔

دوسری خاص بات یہ تھی کہ قرآن اکیڈمی میں معتکفین کے طعام کا انجمن کی طرف سے بندوبست کیا گیا۔ اخباری اشتہارات کے ذریعہ لوگوں کو قرآن اکیڈمی میں اعتکاف کی دعوت دی گئی۔ قرآن اکیڈمی چونکہ شہر سے دور افتادہ مقام پر واقع ہے لہٰذا معتکفین کے لئے طعام کی پیشکش ناگزیر تھی۔ معتکفین نے بھی جذبہ انفاق کا بھرپور مظاہرہ کیا اور طعام کے اخراجات کے لئے اچھی خاصی رقم کی اعانت کی۔ ۳۸ افراد نے اعتکاف کی سعادت حاصل کی۔ اس پروگرام کا نقد ثمر یہ حاصل ہوا کہ معتکفین میں سے دس افراد نے تنظیم اسلامی میں اور گیارہ افراد نے تحریک خلافت پاکستان میں شمولیت اختیار کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجینئر نوید احمد سمیت اکیڈمی کے تمام افراد کو جنہوں نے اس پروگرام کے لئے بھرپور محنت کی' اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

کراچی کے دیگر مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگراموں کی تفصیل

دفتر تنظیم اسلامی شرقی نمبر۲: اس پروگرام کی تکمیل مقامی امیر جناب اعجاز لطیف نے کی۔ جناب اعجاز لطیف درس و خطابت کا ایک منفرد انداز رکھتے ہیں۔ اس پروگرام کے بارے میں بہت حوصلہ افزا رپورٹ ملی ہے۔ عموماً ۲۵ تا ۳۰ افراد اس پروگرام میں شریک رہے۔ رفیق تنظیم جناب اصغر علی مجاہد کے دونوں صاحبزادوں نے اس پروگرام میں بطور حافظ اور سامع حصہ لیا۔ صدر انجمن کی پیش کش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں بھی شرکاء کو خصوصی رعایت پر سینکڑوں کتب مہیا کی گئیں۔

چھوٹا گیٹ۔ ایئرپورٹ: امیر تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر۳ کی اہلیہ نے قرآن اکیڈمی کراچی میں منعقد ہونے والے پہلے یک سالہ کورس میں اپنے خاوند کے ہمراہ حصہ لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے اتنی استعداد حاصل کی کہ اس مرتبہ اپنی رہائش گاہ پر خواتین کے لئے دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے کرہمت کس لی اور یہ ثابت کردیا کہ کراچی کی خواتین خدمتِ دین میں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ موصول شدہ رپورٹ کے مطابق تقریباً ۵۰ تا ۶۰ خواتین نے اس پروگرام میں شرکت کی۔

محمود آباد: تنظیم اسلامی ضلع جنوبی کے تحت قائم اسرہ کے دفتر واقع محمود آباد میں نقیبِ اسرہ جناب جاوید عبداللہ نے دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے ترجمہ قرآن کی خاص بات یہ تھی کہ ان کے بیان میں تنظیم کی فکر کے ساتھ ساتھ تصوف کا سوز و گداز بھی شامل ہو گیا ہے۔ یہاں تقریباً ۱۵ سے ۲۰ افراد نے اس پروگرام سے استفادہ کیا۔

ان پروگراموں کے علاوہ متعدد مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے امیر تنظیم اسلامی کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ بھی استفادہ کیا گیا۔ اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ عصرِ حاضر کے ان مؤثر ترین ذرائع ابلاغ سے جتنا ہماری تنظیم نے فائدہ اٹھایا ہے شاید ہی کسی اور تنظیم نے اٹھایا ہو۔

دورۂ ترجمہ قرآن کے آڈیو کیسٹ کے ذریعہ امیر تنظیم اسلامی ضلع وسطی جناب اختر ندیم اور ان کے اہل خانہ نے اور ناظم بیت المال، تنظیم اسلامی ضلع شرقی نمبر ۳ جناب عبداللطیف کھوکھر اور ان کے اہل خانہ نے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں بذریعہ ویڈیو کیسٹس درج ذیل مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام سے استفادے کا اہتمام کیا گیا۔

برمکان جناب عبدالمجید، رفیق تنظیم ضلع وسطی: اس پروگرام میں ۲۰ تا ۲۵ افراد شریک ہوئے۔

برمکان جناب فاضل صاحب: ان کے گھر پر ان کی اہلیہ نے اس پروگرام کا اہتمام کیا جو تنظیم کی رفیقات میں سے ہیں۔ تقریباً ۱۰ خواتین نے استفادہ کیا۔

برمکان جناب اسلم علوی رفیق تنظیم ضلع شرقی نمبر ۲: اس پروگرام کی تفصیلات ہمیں تاحال موصول نہیں ہوئیں۔ جناب علوی صاحب اپنے بھائی کی علالت کی بناء پر ملتان

روانہ ہو گئے۔

کھارادر: رفیق تنظیم اسلامی ضلع جنوبی جناب عبدالقادر انصاری کے توسط سے کھارادر میں دو مقامات سے لیڈ سسٹم کے ذریعہ امیر محترم کے دورۂ ترجمہ قرآن اور منتخب نصاب کے آٹھ آٹھ کیسٹس ٹیلی کاسٹ کئے گئے۔ لیڈ سسٹم سے تقریباً ڈیڑھ سو مکانات منسلک ہیں۔ یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے لوگوں نے اس ٹیلی کاسٹ سے فائدہ اٹھایا' تاہم توقع یہی ہے کہ وہاں رہائش پذیر اکثر افراد نے اس پروگرام سے استفادہ کیا ہو گا۔

عرشی سیلز پوائنٹ: فیڈرل بی ایریا میں شاہراہ پاکستان پر واقع یہ سیلز پوائنٹ توسیع دعوت کے لئے ایک مفید ذریعہ ثابت ہوا۔ یہ سیلز پوائنٹ حال ہی میں قائم کیا گیا ہے جہاں مکتبہ ولائبریری کے علاوہ ویڈیو پر دروس و خطابات کے دکھانے کا اہتمام ہے۔ رمضان المبارک کے دوران رفیق تنظیم اسلامی ضلع وسطی سرفراز خاں نے اس پوائنٹ پر بھرپور محنت کی۔ نماز تراویح کے بعد سے رات بارہ بجے تک یہ پوائنٹ کھلا رہتا تھا۔ لوگوں کا خاصا رجوع رہا۔ ۲۰ سے زیادہ افراد لائبریری کے رکن بنے اور کتابوں اور کیسٹس کی خاطر خواہ فروخت ہوئی۔

انجمن خدام القرآن سندھ کو جسے ہماری تحریک کی جڑ کی حیثیت حاصل ہے' قرآن اکیڈمی میں اعتکاف پذیر حضرات میں سے ۲۵ ارکان میسر آئے جن میں دو محسنین اور بقیہ عام ارکان بنے۔

کراچی کے مذکورہ بالا پروگراموں میں جن رفقاء' معاونین اور ارکان انجمن نے حصہ لیا ان کا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے البتہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے مطابق کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا' ہم ان تمام افراد سے اظہار تشکر کرتے ہیں اور اس دعا کے ساتھ اس رپورٹ کو ختم کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دوران کی گئی ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور ہمارے لئے توشۂ آخرت بنائے۔

(مرتب کردہ: محمد سمیع)

ملتان

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص میری سنت کو زندہ کرے گا جب کہ ہر جگہ فساد رونما ہو چکا ہو گا تو اسے سو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔ اگرچہ سنت سے مراد اس کا کوئی ایک جزو نہیں بلکہ یہ آپؐ کی پوری اجتماعی زندگی اور آپؐ کے طریقہ کا نام ہے' لیکن اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے اگر کوئی شخص آپؐ کے طریقے کے کسی ایک جزو کو بھی زندہ کرے گا تو اس کا اجر بھی یقیناً قابل رشک ہو گا۔

رمضان المبارک میں جہاں دن کو صیام کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی پورے ایمان اور احتساب کے ساتھ' وہاں رات کے قیام کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایمان کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے لہٰذا رمضان المبارک کی راتوں میں ہم قرآن کو تراویح میں سننے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر تراویح جس برق رفتاری سے ادا کی جاتی ہیں اور ان میں قرآن حکیم جس انداز سے پڑھا جاتا ہے اس کے پیش نظر قرآن مجید کے فیوض و برکات' تعلیمات اور تجلیات سے انسان تہی دست رہتا ہے' اِلا ماشاء اللہ۔ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے اس میدان میں بھی اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے عزیمت کی راہ کو اختیار کیا اور ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں قرآن مجید کا ترجمہ مع مختصر تشریح پیش کیا اور اس طرح اولاً اہل لاہور کے سینوں میں ایمان کی شمع کو روشن کیا۔

۱۹۹۲ء میں محترم ڈاکٹر صاحب نے ملتان کی قرآن اکیڈمی کو یہ رونق بخشی اور ۲۳ راتوں میں' ۹ بجے شب سے لے کر ۳ بجے صبح تک' قرآن کا دورہ مکمل فرمایا۔ یوں پہلی مرتبہ اہل ملتان اس "بزم" سے روشناس ہوئے اور انہوں نے تقاضا کیا کہ یہ سلسلہ چلنا چاہئے۔

۱۹۹۳ء میں یہ ذمہ داری انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے اپنے کاندھوں پر لی اور اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہوئے ۲۳ راتوں میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کی۔ امسال بھی انجمن خدام القرآن ملتان کی مجلس منتظمہ نے محترم فاروقی صاحب سے

درخواست کی کہ وہ اس ذمہ داری کو دوبارہ نبھائیں۔ اس مقصد کیلئے اخبار میں اشتہار دیا گیا' بینر آویزاں کئے گئے' ۵۰۰ پوسٹر نما رنگا رنگ کارڈ بنوائے گئے' جنہیں مساجد' دوکانوں اور دفتروں میں آویزاں کیا گیا اور دس ہزار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔

رمضان المبارک کی پہلی رات کو موصوف نے قرآن مجید کے نظم' اس کے ربط' اس کی آیات' رکوعوں اور سورتوں کی تقسیم' اس کی عظمت اور اس کے حقوق پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور ۲۰ رکعت تراویح مروجہ طریقے پر ادا کی گئیں۔ دوسری رات سے ترجمے کا آغاز کیا گیا جسے پوری ۲۲ راتوں میں مکمل کیا گیا۔ جہاں تک پروگرام کا تعلق ہے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اس کی افادیت اور اثر پذیری کو بیان کر سکوں۔ محترم فاروقی صاحب اسے کمال روانی کے ساتھ بیان کرتے جاتے تھے اور سامعین ہمہ تن گوش سنتے چلے جاتے تھے۔ سابقہ امت مسلمہ کی کارستانیاں' حضرت موسیٰؑ کی اپنی امت سے بیزاری' حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ ولادت' انباء الرسل' قصص النبیین' التذکیر بآلاء اللہ' التذکیر بایام اللہ' قریش کی ہٹ دھرمی' منافقین کی چالیں اور نبی کریم ﷺ کی حکمت بھری نصیحت آموز باتیں' اللہ کے عطا کردہ نظام عدل وقسط کا قیام اور نظام خلافت کی پکار --- یہ چند موضوعات تھے جن پر موصوف نے اظہار خیال فرمایا۔ شرکاء کی تعداد آغاز میں تقریباً ایک سو کے لگ بھگ ہوتی تھی جو وقفہ کے بعد نصف رہ جاتی۔ وقفہ بارہ تراویح کے بعد کیا جاتا جس میں چائے اور بسکٹ پیش کئے جاتے تھے۔ تقریباً ۲۵ خواتین نے بھی مسجد کے پچھلی طرف' کمرۂ خواتین میں بیٹھ کر مکمل قرآن سنا۔ چائے کے وقفے میں ان کے ہاں تو پورا دعوت کا سماں ہوتا تھا اور بعض اوقات تو وہاں سے مردوں کیلئے بھی کچھ تحفتاً بھیج دیا جاتا تھا۔

آخری رات تقریباً ۲۷۵ مرد و خواتین شریک ہوئے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل کے بعد شیرینی تقسیم کی گئی۔ شرکاء کی اکثریت نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ کاش یہ پروگرام پوری انتیس یا تیس راتوں تک چلتا تو کم از کم آخری عشرے کی طاق راتیں تو قرآن سننے میں گزر جاتیں۔ انجمن خدام القرآن کے عملے نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں انتھک محنت کی اور "داعی" کا اجر تو اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ محترم قاری صاحب نے بھی اپنی کھنک دار خوبصورت آواز سے قرآن پاک سنایا۔ اختتامی دعا انجمن کے صدر کرنل غلام حیدر

ترین صاحب نے منگوائی۔ آخر میں اعلان کیا گیا کہ قرآن اکیڈمی ملتان میں ماہ جون میں ایک تیس روزہ قرآنی ورکشاپ منعقد کی جائے گی۔ جو حضرات دین اور اس سے متعلق ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہتے ہوں وہ اس میں شرکت کریں۔ کافی لوگوں نے اس میں دلچسپی ظاہر کی۔ (مرتب: ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی)

فیصل آباد

بتوفیقِ الٰہی گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی رمضان المبارک کے دوران نماز تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن مکمل کیا گیا' جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

یہ پروگرام فیصل آباد شہر کے مرکز میں واقع دفتر انجمن خدام القرآن و تنظیم اسلامی میں منعقد کیا گیا۔ مترجم کے فرائض انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے صدر ڈاکٹر عبد السمیع صاحب نے انجام دیئے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کی تشہیر کے لئے مقامی اخبارات میں پریس ریلیز دیئے گئے۔ علاوہ ازیں بیس ہزار ہینڈ بلز چھپوا کر مختلف اخبارات میں رکھ کر تقسیم کروائے گئے' تاکہ فیصل آباد کی دیگر مساجد کے منتظمین و نمازی حضرات تک زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہ پیغام پہنچے۔ اس طرح عوامی سطح پر لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ اپنی متعلقہ مساجد میں تراویح کے دوران قرآن مجید کے ترجمہ کا بھی اہتمام کیا جائے۔

مورخہ ۱۱ فروری کو بعد نماز عشاء محترم ڈاکٹر عبد السمیع صاحب نے استقبال رمضان کے موضوع پر خطاب فرمایا اور اگلے روز سے دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا' جو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہو کر رات ایک بجے تک جاری رہتا' جس میں ہر چار رکعت میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا پہلے باقاعدہ قرآن پاک سامنے کھول کر ترجمہ کیا جاتا اور مختصر تشریح ہوتی۔ بعد میں چار رکعات تراویح ادا کی جاتیں۔ ساڑھے دس بجے وقفہ کر کے شرکاء کو چائے پیش کی جاتی تھی۔ مستقل شرکاء کی اوسط تعداد ۳۵ کے قریب رہی' جبکہ شب جمعہ اور آخری عشرہ میں اس تعداد میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ شرکاء میں ڈاکٹرز' وکلاء اور دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے علاوہ خواتین بھی شامل رہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک کی شب یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ ۲۸ رمضان المبارک کی شب

"سیرت النبی ﷺ کے عملی پہلو" اور ۲۹ رمضان المبارک کی شب شرکاء کے سامنے "فرائض دینی کا جامع تصور" کے موضوعات پر محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے مدلل خطاب فرمایا۔

مزید بر آں مقامی امیر تنظیم جناب محمد رشید عمر صاحب کو جامع مسجد محمدی اہلحدیث واقع پیپلز کالونی میں نماز تراویح کے دوران روزانہ تقریباً ۲۵ منٹ خطاب کی سعادت حاصل ہوئی۔ جس میں موصوف تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کے حصہ سے منتخب آیات کا ترجمہ سامعین کے سامنے پیش کرتے رہے۔ شرکاء کی اوسط حاضری چالیس کے قریب رہی۔

علاوہ ازیں مدینہ ٹاؤن کی اتفاق مسجد میں محترم کفیل احمد ہاشمی صاحب نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے دوران قرآن مجید کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ سامعین کے سامنے پیش کیا۔ اوسط حاضری ۴۵ رہی۔ جبکہ ۲۷ اور ۲۹ رمضان المبارک کو حاضری بڑھ کر ۴۰۰ ہو گئی تھی۔ موصوف امیر محترم کے قرآنی فکر سے بہت متاثر ہیں۔ اگرچہ ابھی تنظیم کی رفاقت اختیار نہیں کر پائے۔ (مرتب: حسین رضا)

پشاور

رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے "جَعَلَ اللّٰہ صِیامَہ فریضۃً و قیامَ لیلِہ تطوّعًا" کے الفاظ کے ذریعے اس ماہ مبارک کے دن کا روزہ فرض اور رات قیام نفل قرار دیا۔ اس حدیث مبارک کی رو سے رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں۔ ایک دن کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قراءت و استماعِ قرآن۔ اور نبی اکرم ﷺ نے ایمان و احتساب کے ساتھ صیام و قیام رمضان پر گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ روزہ اور قرآن روز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور بندۂ مومن کے حق میں سفارش کریں گے جو قبول کی جائے گی۔

روزے اور قرآن کے باہمی تعلق کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

صاحب نے نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کی جس تحریک کی ابتدا آج سے دس سال قبل کی تھی وہ بحمد اللہ بتدریج وسعت پذیر ہے اور اب لاہور کے علاوہ پاکستان کے دوسرے بڑے شہروں میں بھی یہ پروگرام شروع ہو چکا ہے۔ فی الحقیقت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو غرض اور لوث کی آلودگی سے اپنے قلب و دماغ کو پاک و صاف رکھتے ہوئے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے حصول اور فلاح آخرت کے لئے قرآن مجید کے ترجمہ و تفہیم سے مستفید ہوتے ہیں۔

اسی ماہ کی مناسبت سے رفقائے تنظیم اسلامی پشاور نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں ابتدائی طور پر اور دورۂ ترجمہ قرآن کی تمہید کے طور پر صلوٰۃ التراویح کے ساتھ قرآن مجید کے مضامین کا اجمالی تجزیہ پیش کیا جائے تاکہ اہل پشاور کو اس لذت سے شناسا کیا جاسکے۔ اس کے لئے راقم الحروف کو یہ ذمہ داری سونپی گئی اور اس کی تیاری اور بیان کرنے کا بار گراں اس کے ناتواں کاندھوں پر ڈالا گیا۔

یکم رمضان المبارک سے اس پروگرام کی ابتدا کی گئی۔ قرآن مجید کا جو منتخب حصہ تراویح میں پڑھا جانا ہوتا' فرض نماز کے بعد اس کے مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا تھا۔ ابتداءً یہ پروگرام ۱۵'۲۰ منٹ کے دورانئے پر مشتمل ہوتا تھا۔ لیکن آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ جوں جوں سورتوں کی تعداد بڑھتی گئی توں توں سورتوں کے مضامین کا احاطہ کرنے کے لئے وقت بھی بڑھتا گیا' چنانچہ اس میں نصف گھنٹہ سے لے کر ۳۵'۴۰ منٹ تک صرف کئے جاتے رہے۔ جبکہ آخری روز انجمن خدام القرآن سرحد کے ناظم دفتر جناب غلام مقصود صاحب نے آخری پاروں کی منتخب سورتوں کا ترجمہ کیا اور ان سورتوں کے حوالے سے تذکیر بالآخرت کا فریضہ انجام دیا۔

صلوٰۃ التراویح کے اس پروگرام کی نمایاں خصوصیت ہمارے رفیق حافظ محمد عرفان صاحب کی قراءتِ قرآن تھی۔ حافظ صاحب نے عام روایت کے برعکس اور "وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا" کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر' ترتیل کے انداز میں قرآن حکیم سنایا۔

یہ پروگرام اہل پشاور کے لئے ہر پہلو سے ایک نئی اور انوکھی بات تھی جس کا انہیں

پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ معاشرے کا جو عام رجحان اور چلن ہے اس کا مظاہرہ یہاں بھی دیکھنے میں آیا اور لوگوں کی حاضری کم رہی اور تقریباً تیس سے چالیس افراد نے باقاعدگی سے شرکت کی، لیکن جو لوگ بھی اس میں شریک رہے انہوں نے اس کی افادیت کو محسوس کیا اور آئندہ کے لئے اس سے بھی آگے بڑھ کر دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے عزم و ہمت کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور رجوع الی القرآن کی اس تحریک میں مزید برکت و وسعت پیدا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(مرتب: خورشید انجم)

راولپنڈی / اسلام آباد

رمضان المبارک کی سعادتوں سے مستفید ہونے کیلئے راولپنڈی میں مندرجہ ذیل پانچ مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مقامی مساجد میں نماز عشاء اور تراویح پڑھ کر بعد میں بذریعہ وڈیو کیسٹ دورۂ ترجمہ قرآن کی محافل منعقد ہوتی تھیں:

(۱) ڈھوک گنگال، بر مکان محبوب ربانی مغل
(۲) بمقام شکریال، بر مکان شمس الحق اعوان
(۳) مسلم ٹاؤن، بر مکان شمیم اختر
(۴) بر مکان غلام مرتضیٰ اعوان۔ G.6.2 اسلام آباد
(۵) بمقام فیصل مسجد۔

فیصل مسجد میں خالد محمود عباسی اور چند دیگر رفقائے تنظیم نے اعتکاف کیا اور اس دوران خالد محمود عباسی صاحب نے دورۂ ترجمہ قرآن کا پروگرام کیا۔ جس سے متاثر ہو کر دو افراد تنظیم میں شامل ہوئے۔ دیگر مقامات پر بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے ہمراہ شرکاء کے اشکالات کے جوابات دینے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان مقامات پر بھی مجموعی طور پر دو مزید افراد تنظیم اسلامی سے منسلک ہوئے۔

ان پروگراموں میں شرکاء کی تعداد ۵ تا ۲۵ تک رہی۔ رفقاء تنظیم نے اپنی تربیت و تعلیم کے لئے اسے بہت مفید پایا۔ (مرتب: شمس الحق اعوان)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

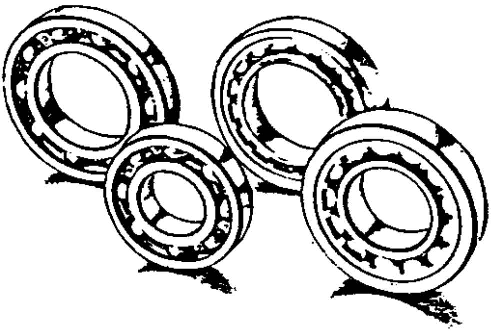

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No. L. 7360
Vol. 43. No.4
April 1994

MPL

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No. L. 7360
Vol. 43. No.4
April 1994